تعبیر کا تعلق ہے، ترجمہ کامیاب معلوم ہوتا ہے لیکن یہ ترجمہ آج سے اٹھارہ انیس سال پہلے کا ہے، جب ادب وانشاء کا طرز اب سے مختلف تھا، اگر فاضل مترجم اس پر نظر ثانی کرتے ہوتے تو ممکن تھا، اس میں کچھ اور سلاست آجاتی، افسانہ کا خلاصہ یہ ہے کہ عبد اللہ فرمانروائے بخارا ہندوستان کے راستہ سے حج کا سفر کرتا ہے، اور دلی میں اورنگ زیب کا مہمان ہوتا ہے اورنگزیب اپنی چھوٹی لڑکی لالہ رخ کی نسبت بخارا کے ولیعہد سے کر دیتا ہے، اور دولھا دولھن شادی کے مراسم ادا کرنے کے لئے مع خدم وحشم کشمیر روانہ ہوتے ہیں، راستہ میں کشمیر کا ایک مغنی فرامرز اپنی نغمہ گوئی اور موسیقی سے شاہزادی کا دل بہلاتا ہے، شاہزادی اس سے اس قدر مانوس اور اثر پذیر ہوجاتی ہے، کہ ولیعہد بخارا کے ساتھ شادی کا تخیل اس کے لئے سوہان روح بن جاتا ہے لیکن چار ونا چار دل پر جبر کرتی ہے، کشمیر پہونچنے کے بعد شادی کے سلسلہ میں جب اوس کا ولیعہد سے سامنا ہوتا ہے، اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ ولیعہد ہی فرامرز مغنی کے لباس میں تھا، اصل افسانہ صرف اسقدر ہے لیکن فسانہ گو مغنی کی زبان سے اس میں کئی دلچسپ افسانے در افسانے پیدا کئے گئے ہیں اس افسانہ کو تاریخی حیثیت کے بجائے صرف تخیل وانشاء کے لحاظ سے دیکھنا چاہئے،

محبت کی چھاؤں، مصنفہ جناب مرزا ظفر الحسن صاحب بی اے تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۳۲ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت اوسط قیمت ۱۲؎ پتہ:- ادارہ ادبیات اردو رفعت منزل حیدر آباد دکن،

مصنف حیدر آباد کے روشناس افسانہ نگاروں میں ہیں محبت کی چھاؤں ان کے بارہ افسانوں کا مجموعہ ہے، ان میں آج کل کے تعلیم یافتہ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے رومانی تخیلات اور انکے بلند معاشرتی نقطۂ نظر کو روزمرہ کے واقعات وحالات کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے، یہ افسانے محض تخیل نہیں بلکہ نوجوانوں کی معیاری زندگی کی صحیح تصویریں ہیں،

"م"

جلد ۴۶ ماہ شعبان المعظم ۱۳۵۹ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۴۰ء عدد ۳

مضامین

مضمون	مصنف	صفحات
شذرات،	سید سلیمان ندوی،	۱۶۲-۱۶۴
فہم قرآن کے اصول وشرائط،	شاہ معین الدین احمد ندوی،	۱۶۵-۱۸۳
مولانا کاتبی،	مولانا عبد السلام ندوی،	۱۸۴-۱۹۳
علمائے نگرام،	مولوی مطلوب الرحمن صاحب ندوی نگرامی،	۱۹۴-۲۱۰
سیرت کی ساتویں جلد کا موضوع،	جناب منیر الدین بن ریاض الدین صاحب غوثی احمد آباد،	۲۱۱-۲۱۵
خود بینی،	"ض"	۲۱۶-۲۲۰
غور وفکر کا صحیح طریقہ،	"	۲۲۱-۲۲۴
اخبار علمیہ،	"	۲۲۵-۲۲۷
نئے رسالے،	"م"	۲۲۸-۲۳۴
مطبوعات جدیدہ،	"	۲۳۵-۲۴۰

شذرات

افسوس ہو کہ مصر کی ایک بہت بڑی ہستی سے دنیا خالی ہوگئی، عبدالحمید سعید بے مصر کے اُن جوانمردوں میں تھے جو مصر چھوڑ کر یورپ میں رہ پڑے تھے، اور یہ عہد کر لیا تھا کہ جب تک مصر آزاد نہ ہوگا وہ مصر کی زمین میں قدم نہیں رکھیں گے، مصر اور انگلستان کے گذشتہ معاہدہ کے بعد وہ مصر واپس آئے تھے، میری ان کی ملاقات ۱۹۲۰ء میں وفد خلافت کے دوسرے ارکان کے ساتھ اٹلی کے پایۂ تخت روما میں ہوئی تھی، وہ اپنے قد و قامت اور ڈیل ڈول کے لحاظ سے شوکت علی مرحوم سے ملتے جلتے تھے، اور انہی کی طرح قومی و مذہبی جوش و خروش سے بھرے ہوئے تھے، ایک بہت موٹا ڈنڈا جس کی موٹھ میں اہرام مصری کی شکل بنی ہوئی تھی اپنے ہاتھ مین رکھتے تھے، انھون نے اسوقت تک شادی نہیں کی تھی، کہتے تھے کہ غلامون کی تعداد بڑھانے سے فائدہ کیا،

وہ پہلے بالکل وطن پرور یا نیشنلسٹ تھے، مگر مصر آنے کے بعد ان کے حالات میں ایک نیا تغیر ہوا، انھوں نے عالمگیر اسلامی برادری (پین اسلامزم) کی تحریک مصر کے نوجوانوں میں شروع کی، انجمن شبان المسلمین کی بنیاد ڈالی، اس کی شاخین مصر کے اطراف میں پھیلائین، اور اس کی کوشش کی کہ دنیائے اسلام کے دوسرے حصّوں میں اس کی شاخین قائم ہوں، چنانچہ بمبئی مین اس کی ایک شاخ قائم ہے، چند سال ہوئے کہ انھوں نے اپنی محبت سے مصر کی شبان المسلمین کا ممبر خاکسار کو بھی بنایا، جامع ازہر کی طرف سے جو وفد ہندوستان آیا تھا، اس کے ایک رکن انجمن شبان المسلمین

کے بھی نمایندہ تھے اور مقصد یہ تھا کہ مصر و ہندوستان کی اسلامی برادریوں میں تعلقات مضبوط کیے جائیں،

ان کی اس تحریک سے بڑا فائدہ یہ پہنچا کہ مصری نوجوان جو غلط قسم کی وطن پروری یا قومیت پرستی کے سیلاب میں بہے جارہے تھے، وہ پلٹے اور اسلام کا سفینۂ نجات ان کو دکھائی دیا، وہ مصری پارلیمنٹ کے ممبر بھی تھے، انھوں نے اور ان کے رفقا نے مصر کی حکومت پر بار بار زور ڈالا کہ جبتک مصر کا سرکاری مذہب اسلام ہے، احکام اسلامی کے مخالف کوئی قانون اس پارلیمنٹ سے پاس نہیں ہوسکتا، ہندوستان کی طرح یورپ کی برکت سے دوسرے محکوم اسلامی ملکون میں بھی "بدکاری" کو قانونی جواز کی سند مل گئی ہے، مرحوم پہلے شخص تھے جنھوں نے اس کے خلاف پوری جدوجہد کی، اور لوگون نے ان کا ساتھ دیا،

آجکل جب مسلمان عام طور سے وطن اور اسلام کے حقوق کے درمیان تطبیق کی کوئی راہ نہیں پار ہے ہیں اور یہ سمجھ رہے ہیں کہ ایک کے حقوق کی پاسداری دوسرے کے حقوق کی ادائی سے دست کشی ہے، مرحوم کی شخصیت خاص طور سے اہمیت رکھتی تھی، اور مصر کے نوجوانوں کے درمیان صحیح رہنمائی کی کفیل تھی، اللہ تعالیٰ اس جوشِ عشق کے مجسمہ کو اپنی مغفرت سے بامراد کرے،

ایران میں دوسری ترقیوں کے ساتھ علمی سرگرمیاں بھی بڑھ رہی ہیں، قدیم عربی و فارسی نسخون کی تحقیق و تلاش اور تصحیح اور تحشیہ کے بعد ان کی اشاعت کا شوق روز افزوں ہے، حال میں علامہ بیرونی کی مشہور کتاب التفہیم فی صناعۃ التنجیم نہایت خوبی سے چھاپی گئی ہے، حکیم نظامی گنجوی کا دیوان مع قصیدہ و غزل اور احوال و سوانح چھپا ہے، کلیم کا دیوان شائع ہوا ہے، رسائل بوعلی سینا، تاریخ بیہق، مصیبت نامۂ شیخ عطار، ذیل جامع التواریخ رشیدی حافظ ابرو، تاریخ عالم آرای عباسی، تاریخ بخارا، رسائل شیخ سہروردی مقتول، تذکرۃ الشعراء نصرآبادی، دیوان حکیم سنائی وغیرہ کتابیں بڑے اہتمام سے چھاپی گئی ہیں،

اس سلسلہ میں یہ بات بھی مسرت کے قابل ہے کہ جدید تالیفات میں سنجیدہ خالص اسلامی مذہبی لٹریچر کی تعداد بھی کم نہیں، زندگانیِ محمد صلعم (ڈاکٹر محمد حسین ہیکل مصری کی عربی کتاب کا ترجمہ) کردار و گفتار محمد صلعم (انگریزی سے ترجمہ) تاریخ حیات پیغمبر صلعم (کارلائل کے باب کا ترجمہ) عظمت محمد صلعم (عربی سے ترجمہ) وحی محمدی (سید رشید رضا کی کتاب کا ترجمہ) کلمات محمد صلعم (تالیف فارسی محمد جواد مشکور) زندگانی حضرت علی بن ابی طالب (ترجمہ) اسرار حج تالیف ابراہیم رمضانی، تجوید القرآن تالیف محمد بن علی بن محمد حسینی، تاریخ القرآن مجتہد زنجانی، غزالی نامہ (سوانح و افکار امام غزالی) وغیرہ کتابیں بھی شائع ہوئی ہیں، جن سے ایرانی نوجوان اہلِ قلم کی ذہنی سمت رفتار کا پتہ چلتا ہے،

مولانا شبلی مرحوم کو اپنی زندگی میں شاید اپنی کتاب شعر العجم کی اس مقبولیت کا خیال بھی نہ آیا ہوگا کہ ایک طرف وہ پروفیسر براؤن کی تاریخ ادبیات ایران کا آخری ماخذ بنیگی، اور دوسری طرف خود وہ ملک جس کی ادبی تاریخ اس میں لکھی گئی ہے، اسکی اتنی قدر کریگا کہ اُسکو اپنی زبان میں منتقل کرنے کا اہتمام کریگا، شعر العجم کی پانچویں جلد جو ان کی تحقیقات کا خلاصہ ہے فارسی میں ترجمہ ہو کر تہران میں چھاپی گئی ہے، آقائی محمد تقی فخر داعی گیلانی نے اس کا ترجمہ کیا ہے،

"فتنۂ نگار" کی تردید و تجہیل میں متعدد مراسلے موصول ہوئے ہیں، لیکن انکی اشاعت سے اس لئے پرہیز کیا گیا کہ ان میں یہ سمجھا گیا کہ اس فتنہ کا سررشتہ کلامی بحثیں ہیں، حالانکہ اُسکا منشا عیسائیوں اور آریوں کے اعتراضات کا سرقہ محض ہے، افسوس کہ کفر میں بھی اجتہاد نہیں، سید عبدالرحمان صاحب ایم اے رانچی سے لکھتے ہیں کہ مدیر نگار کے سرقات کی بڑی فہرست ان کے پاس موجود ہے، جس کو وہ شاید کسی وقت بھیجینگے،

مقالات

فہمِ قرآن کے اصول و شرائط

از

شاہ معین الدین احمد ندوی

(۳)

بعض غلط فہمیوں کا ازالہ

تفسیر کے اصول و شرائط کی تفصیل کے بعد اُن غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، جو بعض جماعتوں میں دانستہ یا نادانستہ پھیل رہی ہیں، اور جن سے ناواقف مسلمان دھوکا کھا سکتے ہیں، وہ یہ کہ

"عربی لغات کے الفاظ سماعی ہیں، اور اس کے جامعین عجمی تھے، لغات کی ترتیب چوتھی صدی ہجری سے شروع ہوئی، اور اس وقت تفسیر و فقہ میں لغات کے جو معنی رائج ہو چکے تھے، وہی عجمی جامعین نے اپنے لغات میں جمع کر دئے، اصول و قواعد لسانی کی ترتیب بھی نزولِ قرآن کے بعد ہوئی، جس کا بڑا حصہ ائمۂ فن نے خود قرآن سے استنباط کیا ہے، جو سراسر ظنی اور قیاسی ہے، اسلئے فہم قرآن کے لئے ان میں سے ایک چیز بھی معتبر نہیں"۔

ان میں سے ایک واقعہ بھی صحیح نہیں ہے، لیکن جس سلیقہ سے اس کو پیش کیا جاتا ہے اس سے ناواقف لوگوں کو دھوکا ہو سکتا ہے، اسلئے اس پر کسی قدر تفصیل سے بحث کی ضرورت ہے،

یہ مقدمہ صحیح نہین ہے، کہ لغات کی علمی جمع و ترتیب اور اصول و قواعد لسانی کے علمی انضباط مین تاخیر زمانی سے اس زبان کے پرانے لٹریچر کے سمجھنے کیلئے وہ غیر معتبر ہو جاتے ہین،

دنیا کی کسی زبان کے علمی دور سے پہلے نہ اس کے لغات کتابی شکل میں مرتب ہوے ہیں، اور نہ اصول و قواعد منضبط ہوئے ہیں، اُس دور میں لغات کا خزانہ اہل زبان کا سینہ، اور اسکی سند ان کی زبان اور ان کا کلام ہوتا ہے، اسی طرح زبان کے قواعد کی پابندی کا ان مین فطری ملکہ ہوتا ہے، اور بغیر قواعد کو سیکھے اور پڑھے ہوئے وہ صحیح بولتے ہین، آج کتنے اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ اردو کے قواعد سے واقف ہین؟ لیکن ان مین سے کوئی بھی لکھنے پڑھنے میں غلطی نہیں کرتا، بلکہ زبان کے مرکزون کے جاہل بھی غلطی نہیں کرتے، لغات اور زبان کی علمی جمع و ترتیب اور تدوین ہمیشہ علمی دور مین ہوتی ہے،

یہی حال عربی زبان کا ہے، اوس کے لغات اور قواعد زبان بھی بعد میں مرتب و مدون ہوئے لیکن عہد جاہلی سے لیکر بنی عباس کے زمانہ تک یعنی جب سے عربی زبان کا علمی اور تصنیفی دور شروع ہوا ہر زمانہ میں خالص عرب علماے لغت موجود تھے، جن کی زبان سند مانی جاتی تھی، اور عہد جاہلی کا کلام موجود تھا، جو سند کا کام دیتا تھا،

اس دور کے علوم و فنون کا خواہ وہ کسی درجہ کے ہون، اور کسی قوم کے ہون، دار و مدار حفظ پر ہوتا ہے، اس عہد کی کتاب اس دور کے علماء کا سینہ ہوتا ہے، خصوصاً عرب اپنی قوتِ حافظہ اور اپنی زبان اور روایات کے تحفظ میں ساری دنیا مین ممتاز تھے، وہ اپنے گھوڑوں اور اونٹون تک کے نسب نامے محفوظ رکھتے تھے، ہر زمانہ میں دو چار نہیں سیکڑون انساب عرب، ایام عرب، اخبار عرب، اشعار عرب اور لغاتِ عرب کے حافظ موجود تھے، اور یہ قومی سرمایہ نسلاً بعد نسلٍ محفوظ چلا آتا تھا، جو کاغذی تحریروں سے زیادہ مستند اور محفوظ تھا، اور یہی بعد کی کتابوں میں مدون ہوا، اس لئے

لغاتِ عرب کی تدوین نزولِ قرآن کے کتنے ہی بعد ہوئی ہو، اور اس کے جامعین خواہ عرب ہون یا عجمی اس سے لغات کے استناد پر اثر نہیں پڑتا،

یہ بھی مغالطہ ہے کہ چوتھی صدی میں فقہ اور تفسیر مین لغات کے جو معنی رائج ہو چکے تھے، وہی عجمیون نے اپنی کتابوں میں لکھ لئے، تفسیر مین لغاتِ قرآن کے کوئی ایسے معنی نہیں ہین، جن کی سند کلامِ عرب میں موجود نہ ہو، اور اگر کوئی ایسا لفظ نکل آئے، تو معترضین سے پہلے ہم اسے رد کرتے ہین؛ باقی رہی فقہ، تو فقہ میں دو قسم کے لغات ہین، ایک اظہارِ خیال کے لئے عام الفاظ، یہ کلام عرب کے مطابق ہیں، دوسرے مصطلحات، مصطلحات بعد کی بنائی ہوئی ہین، اس میں بیشک کچھ مصطلحات ایسی ہین جن کے موجودہ معنی قدیم کلام عرب میں نہ مل سکینگے، لیکن اس قسم کی اصطلاحات فقہ اور عربی کے ساتھ مخصوص نہیں ہین، بلکہ ہر زبان میں بعد کے پیدا شدہ علوم مین مخصوص مطالب کے ادا کرنے کے لئے بنالی جاتی ہین، عربی میں کلام، فلسفہ، منطق اور تمام نئے پیدا شدہ علوم کی اصطلاحین وضعی ہین، ان کو خواہ مخواہ قرآن کے لغات کے تذکرہ میں گھسیٹنا صحیح نہیں ہے، اس قبیل کی قرآنی اصطلاحوں کی تشریح خود شارع نے کر دی ہے،

سوال یہان قرآن کے لغات کا ہے، اور اوس کے معنی وہی تھے، جو عرب جاہلی میں رائج تھے، اور جن کی سندین کلامِ عرب میں موجود ہیں، یہی معنی رسول اللہ صلعم نے بتائے، صحابہ نے محفوظ کئے اور نسلاً بعد نسلٍ ایک نے دوسرے کو پہونچایا، جب کسی لغت کے معنی کی تعیین میں کوئی اختلاف ہوتا تھا تو کلامِ عرب سے رفع کیا جاتا تھا، جس کی مثالیں اوپر دیجا چکی ہیں، اور کتابوں میں موجود ہیں، ہر زمانہ میں خصوصاً صدر اول میں قرآن کے لغات کا حل کلامِ عرب ہی سے کیا جاتا تھا، اس کا مدار لغات کی جمع و ترتیب پر تھا ہی نہیں، آج ہم اپنے قصورِ نظر اور سہولت کے خیال سے صراح اور قاموس سے قرآن کے معنی متعین کرتے ہیں، ورنہ ہر زمانہ کے علماے اعلام کلامِ عرب اور تشریحِ رسول سے کرتے

تھے، موجودہ دور میں مولنا حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ یہی تھا،

یہ بھی صحیح نہیں ہے، کہ لغات کے جامعین تمامتر عجمی تھے، اور اسکی ترتیب چوتھی صدی ہجری سے شروع ہوئی، جامعین لغت میں عرب بھی تھے اور عجمی بھی، پھر عرب بلکہ خالص بدوی علماے لغت ہر دور میں موجود تھے، ان میں سے بہتیرے صاحب تصنیف بھی تھے، اور خاص مشکلات قرآن پر بھی ان کی تصانیف تھیں، یہ اور بات ہے، کہ وہ زمانہ کے ہاتھوں ضائع ہوگئین، اور ہم تک نہ پہونچین لیکن ان کے مندرجہ لغات بعد کی کتابوں میں شامل ہوگئے، ابن ندیم نے ہر دور کے بدوی علماے لغت کے مختصر حالات لکھے ہین، ان میں سے بعض یہ ہین:-

۱- **ابو مالک عمرو بن کرکرہ** اعرابی بدوی لغات عرب کا حافظ تھا، بادیہ مین تعلیم دیتا تھا، کتاب الخیل اور کتاب خلق الانسان اسکی تصانیف تھیں،

۲- **ابو عرار**، اعرابی بدوی اپنے زمانہ کے فصحا میں تھا، اور لغت کے علم مین ابو مالک کے کے قریب قریب تھا،

۳- **ابو زیاد کلابی**، اعرابی بدوی عالم لغت تھا، کتاب النوادر، کتاب الفرق، کتاب الابل، کتاب خلق الانسان اس کی تصانیف تھین،

۴- **ابو الجاموس ثور بن یزید**، اعرابی بڑا عالم لغت اور ادیب و انشاپرداز تھا، مشہور ادیب و انشاپرداز ابن مقفع اس کا شاگرد تھا،

۵- **ابو عدنان**، شاعر اور عالم لغت تھا، تصانیف کتاب النحویین، کتاب غریب کتاب الحدیث،

۶- **ابو شبل عقیلی**، فصیح اعرابی تھا، لغت میں کتاب النوادر تصنیف تھی،

۷- **ابو محلم شیبانی**، اعرابی اشعار و لغات عرب کا بڑا عالم تھا، تصانیف کتاب الانواء

کتاب الخیل، کتاب خلق الانسان،

۸- **ابو ثروان عکلی**، فصیح و بلیغ اعرابی اور عالم لغت تھا، بادیہ مین تعلیم دیتا تھا، تصانیف کتاب خلق الانسان، کتاب معانی الشعر،

۹- **علی بن مبارک لحیانی**، ممتاز عالم لغت تھا، ابن سلام صاحب طبقات الشعرا، اس کے شاگرد تھے، تصنیف کتاب النوادر،

۱۰- **ابو العمیثل** حسین والی خراسان کے دربار سے وابستہ تھا، تصانیف کتاب التشابہ، کتاب الابیات السائرہ،

یہ صرف چند نام بطور مثال لکھدئے گئے، ورنہ ابن ندیم نے بہت سے بدوی اور صاحب تصنیف علماے لغت کا ذکر کیا ہے، (دیکھو ابن ندیم ص ۶۶ تا ص ۷۲)

اموی اور عباسی دور کے بہت سے ائمۂ لغت عرب تھے، بعض کے نام اور مختصر حالات یہ ہین:-

۱۱- **قتادہ بن دعامہ سدوسی**، مشہور صاحب علم تابعی اور لغت کے نامور علما میں تھے ان کے والد بدوی تھے، یہ بھی بادیہ مین پیدا ہوئے، لغت، اشعار عرب، انساب عرب اور قرآن و حدیث و فقہ علوم کے جامع تھے، بنی امیہ اشعار، انساب اور اخبار عرب کی تحقیقات مین انھی کی طرف رجوع کرتے تھے، (معجم الادبا جلد ۶ ص ۲۰۲)

۱۲- **زبان بن علاء المعروف بابی عمرو بن العلاء** نسلاً عرب اور مشہور امام لغت خلیل بن احمد بصری کے استاد تھے، اپنے زمانہ مین عربی کے امام فن تھے، کان اعلم الناس بالعربیۃ والقرآن وایام العرب والشعر، یونس بن حبیب کا بیان ہے کہ اگر کوئی شخص اس قابل ہوسکتا ہے، کہ ہر چیز میں اس کا قول سند مانا جائے، تو عمرو بن العلاء ہین، ابو عبیدہ کا

بیان ہے کہ ابو عمرو قرأتون، عربی زبان، ایام عرب اور اشعارِ عرب کے سب سے بڑے عالم تھے، ان کے دفاتر چھت تک بھرے ہوئے تھے، (معجم الادبا جلد ۴ صفحہ ۲۱۷) اور علم و تحقیق کا یہ سارا سرمایہ ان لوگون سے حاصل کیا تھا جنھوں نے جاہلیت کا زمانہ پایا تھا، اصمعی کا بیان ہے کہ مین دس سال تک ابو عمرو کی صحبت مین رہا، (ابن خلکان ترجمہ ابو عمرو)

۱۳- **مورج السدوسی**، ابتدائی عباسی عہد کے امام لغت تھے، بادیہ مین نشو و نما پائی، ابوزید انصاری لغوی کے ارشد تلامذہ مین تھے، خلیل بصری کی صحبت سے بھی مستفید ہوئے، خلیل کے اکابر اصحاب مین ان کا شمار ہے، عربی زبان، انساب عرب، لغت اور حدیث کے ممتاز عالم تھے، اگرچہ یہ خلیل کے تلامذہ مین تھے، لیکن ان کا پایہ استاد سے بڑھ گیا تھا، کان الخلیل یحفظ ثلث اللغة، وکان مورج یحفظ الثلثین (معجم الادبا ج، صفحہ ۱۱۳ و ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۱۳) ابن ندیم نے ان کی تصانیف میں کتاب غریب القرآن، کتاب جماہیر القبائل، اور کتاب القبائل کے نام لکھے ہین، (ابن ندیم ص ۷۱)

۱۴- **نضر بن شمیل تمیمی مازنی**، ائمہ لغت مین تھے، مدتوں بادیہ مین رہکر اعراب سے زبان کی تحقیق کی، یاقوت اور ابن ندیم نے ان کی بہت سی تصانیف کے نام لکھے ہین، جن مین متعدد زبان اور لغات پر ہین، ان مین کتاب الصفات "نہایت اہم تھی، (تفصیل کے لئے دیکھو، ابن ندیم صفحہ ۵۲ و معجم الادبا، جلد ۷، صفحہ ۲۲۲)

۱۵- **قاسم بن معن** حضرت عبداللہ بن مسعود کے پرپوتے تھے، عربی زبان، شعر، لغت اور فقہ مین کوفہ کے اکابر علماء مین تھے، ان کے زمانہ مین کوفہ میں ان کا کوئی مقابل نہ تھا، (معجم الادبا، جلد ۶ صفحہ ۲۰۲) ابن ندیم نے مختلف موضوعون پر ان کی پندرہ تصانیف کے نام لکھے ہیں، ان مین متعدد زبان اور لغت پر ہین، (ابن ندیم صفحہ ۱۰۳)

۱۶- **خلیل بن احمد بصری** المتوفی ۱۷۰ھ جامعین لغت مین خلیل بن احمد کا نام سرفہرست ہے، یہ عربی النسل اور لغت کے سب سے قدیم اور سب سے پہلے جامع اور فن عروض کے موجد ہین، (ابن ندیم ص ۶۴ و معجم الادبا، جلد ۱۸۱) اس زمانہ میں اتنا بڑا عالم لغت کوئی پیدا نہیں ہوا، لغت، عروض اور نحو پر بہت سی کتابین لکھین، ابن ندیم نے کتاب النغم، کتاب العروض، کتاب الشواہد، کتاب النقط والشکل، کتاب العین اور کتاب الایقاع کے نام لکھے ہین، (ابن ندیم ص ۶۵) یاقوت میں کتاب الخیل کا اضافہ ہے،

ان تصانیف میں سب سے اہم لغت میں "کتاب العین" تھی، یہ عربی لغت کا دائرۃ المعارف تھی اس میں نحو کے مسائل بھی تھے، افسوس ہے کہ دست برد زمانہ سے یہ اہم کتاب ضائع ہو گئی، لیکن اس حیثیت سے اس کے مندرجہ لغات کے بعض حصے اب تک محفوظ ہین، کہ اس کے بعد کے تمام ائمہ لغت نے اپنی اپنی کتابون میں اس سے فائدہ اوٹھایا تھا، چنانچہ سیوطی کی مزہر اور سیبویہ کی کتاب النحو مین اس کے لغات و مسائل ہین،

۱۷- **اصمعی** عبدالملک بن قریب باہلی المعروف بہ اصمعی المتوفی ۲۱۴ھ جملہ اصناف ادب کے امام تھے، کان احد ائمة اللغت والغریب والاخبار والملح والنوادر (طبقاۃ النحاۃ صفحہ ۳۱۳) خطیب لکھتے ہین، کہ "اصمعی لغت کا بحر بیکران تھے، اس مین کوئی ان کا مثل نہ تھا، (تاریخ خطیب جلد ۱۰ ص ۴۱۴) اخفش کا قول تھا کہ شعر کے حفظ مین اصمعی سے بڑا کوئی عالم نہ تھا، سولہ ہزار صرف رجز یاد تھے (ایضاً ص ۴۱۱) ایک مرتبہ اصمعی اور ایک دوسرے عالم لغت ابو عبیدہ، مشہور عباسی وزیر فضل بن ربیع کے دربار میں گئے، اس نے اصمعی سے پوچھا تم نے گھوڑے کے لغات پر کتنی کتابیں لکھی ہین، انھون نے جواب دیا، صرف ایک جلد، پھر ابو عبیدہ سے سوال کیا، انھون نے کہا پچاس جلدیں، فضل نے اسی وقت ان دونون کی کتابیں اور ایک گھوڑا منگا کر ابو عبیدہ سے کہا کہ گھوڑے کے اعضاء پر ہاتھ رکھ رکھکے اپنی کتاب سے ان کے لغات بتاتے جاؤ، انھون نے جواب دیا میں گھوڑون کا طبیب نہیں ہون،

اس جواب پر فضل نے اصمعی کو حکم دیا، وہ اٹھے اور گھوڑے کے تمام اعضاء کے لغات بتا کر کلام عرب سے ان کے شواہد پیش کئے، (خطیب جلد ۱۰ ص ۴۱۳) اصمعی کی کم و بیش پچاس تصانیف ہیں، جو بیشتر ائمہ فن لغت اور بعض خاص لغاتِ قرآن پر ہیں، (ابن ندیم ص ۸۲) ان میں سے بعض چھپ بھی گئی ہیں،

۱۸- مبرد، ابو العباس محمد بن یزید المعروف بہ مبرد المتوفی ۲۸۵ھ لغت و ادب میں اپنے زمانہ میں یکتا تھے، قرآن کے خصوصیت کے ساتھ بڑے عالم تھے، مشہور مفسر تابعی مجاہد کا بیان ہے، کہ میں نے قرآن کے معنی کا ان سے بہتر جاننے والا نہیں دیکھا، لغات میں کثرتِ حفظ کی وجہ سے بعض اوقات لوگوں کو ان کے بیان پر شک ہو جاتا تھا، لیکن امتحان اور تحقیق کے بعد ان کی صداقت کا اعتراف کرنا پڑتا تھا، (معجم الادبا جلد ۷، ص ۱۳۷ تا ۱۴۴) ہر موضوع پر ان کی بہت سی تصانیف ہیں، جن میں ایک بڑا حصہ کتبِ لغت کا ہے، (تفصیل کے لئے دیکھو ابن ندیم ص ۸۸)

۱۹- ابن درید، ابوبکر محمد بن حسن ازدی المعروف بابن درید صاحبِ جمہرہ، المتوفی ۳۲۱ھ زبان و لغت کے مشہور امام ہیں، خطیب لکھتے ہیں، وہ اہلِ علم کے سرخیل اور لغات، انساب اور اشعار عرب میں سب پر فائق تھے، ان کو عرب کا سارا کلام حفظ تھا، جب ان کے سامنے کسی عرب شاعر کے دیوان کا کوئی حصہ پڑھا جاتا تھا، تو وہ پورا دیوان پڑھ دیتے تھے، (خطیب جلد ۲ ص ۱۹۵) یاقوت کا بیان ہو کہ وہ علمائے ادب میں سب سے بڑے عالم و حافظ تھے، ان کے سینہ میں علم اور شعر کا جتنا خزانہ بھرا تھا، اتنا کسی کے سینہ میں نہ تھا، انھوں نے بڑی عمر پائی، کامل ساٹھ برس تک علم کی خدمت میں مشغول رہے، (معجم الادبا جلد ۶ ص ۴۸۴) جس دن ان کا انتقال ہوا، لوگوں کی زبان پر تھا، کہ آج لغت کا خاتمہ ہو گیا، اصنافِ لغت پر ان کی انیس بیس تصانیف ہیں، ان میں بعض لغاتِ قرآن پر بھی ہیں، (دیکھو ابن ندیم ص ۹۲ و معجم الادبا جلد ۲ ص ۴۸۹) ان میں جمہرہ سب سے زیادہ مشہور ہے، جو چھپ کر شائع ہو گئی ہے کتبِ لغت میں اس کا جو پایہ ہے، وہ اربابِ علم سے

پوشیدہ نہیں،

موجودہ متداول عربی لغات میں "لسان العرب" کا درجہ امہات کتب کا ہے اس کے مصنف جمال الدین خزرجی عربی النسل ہیں، غرض ہر دور میں عربی النسل علمائے لغت اور اس کے مدونین موجود رہے ہیں،

ابن ندیم، یاقوت، ابن خلکان سیوطی اور خطیب نے دس بیس نہیں سیکڑوں عربی النسل ائمہ اور جامعینِ لغت اور ان کی تصانیف کے حالات لکھے ہیں، ہم نے صرف چند نام بطور مثال لکھ دیئے ہیں،[1]

غالباً اتنی مثالیں اس دعوی کی صداقت کے لئے کہ "جامعین لغت تمامتر عجمی تھے" کافی ہونگی، ان مثالوں کو پیش کرنے کے بعد گذارش ہے کہ تنہا عجمی النسل ہونا بے اعتباری کی دلیل نہیں ہے، یہ صحیح ہے کہ زبان کی تحقیق میں اہلِ زبان کے مقابلہ میں محض زباندان کا درجہ کم ہے لیکن غیر زبان کے زباندانوں میں بہت سے ایسے محقق ہوتے ہیں جن کا درجہ کسی طرح اہلِ زبان سے کم نہیں ہوتا اصل شئے تلاش و تحقیق اور وسعتِ علم ہے، عجمیوں نے عربی زبان کی تحقیق میں عمریں صرف کر دیں اور ایک ایک لفظ اور ایک محاورہ کی تلاش و تحقیق میں برسوں صحرائے عرب کی خاک چھانی، مدتوں بادیہ نشین عربوں میں رہ کر اپنی تحقیق مکمل کی عجمی ائمہ لغت میں شاید ہی کوئی ایسا نکل سکے، جس نے برسوں اہلِ زبان عربوں کے ساتھ بسر نہ کئے ہوں، پھر جو کچھ بھی لکھا، اسکی سند میں خالص عربوں ہی کا بلکہ عرب جاہلی کا کلام پیش کیا ہے، گویا صرف قلم ان کا تھا، اور زبان خالص عربوں کی، ایسی صورت میں ان کا درجہ کسی اہل زبان سے کم نہیں، حیرت کا مقام ہے کہ ہم ہندوستانی بلکہ ہندی نژاد ہو کر تو اجتہاد

[1] ہم نے عرب مدونین لغت پر ایک مقالہ ادارہ معارف اسلامیہ لاہور کے اجلاس دہلی ۳۸ء میں پیش کیا تھا، جو غالباً عنقریب اجلاس مذکور کی روداد کے ساتھ شائع ہو جائے گا، اس میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے،

وامامت کے مدعی بنیں، اور وہ عجمی جن کی تہذیب جن کا تمدن جن کی زبان ہر چیز عربی رنگ میں رنگ گئی تھی، ان کی زبان تک معتبر نہ مانی جائے،

اگر عجمیت کو بے اعتباری کی دلیل مان لیا جائے، تو مسلمانوں کے سارے علمی سرمایہ ہی پر پانی پھر جاتا ہے کہ ان کے بیشتر جلیل القدر ائمہ عجمی تھے، اور انکا سارا قابلِ فخر کارنامہ عجمیوں ہی کا رہینِ منت ہے،

لغت کی بحث کے بعد زبانِ عربی کے قواعد پر بھی ایک نظر ڈال لیجائے، یہ دعوی بھی کہ "عربی زبان کے قواعد اسلئے ناقابلِ اعتبار ہیں، کہ وہ قیاسی ہیں" نہایت مہمل ہے، اوپر لکھا جا چکا ہے، کہ دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں ہے جس کے قواعد علمی دور سے پہلے مرتب ہوئے ہوں، اور ٹھیک اسی اصول کے مطابق مرتب ہوئے ہیں جس اصول پر عربی کے قواعد مرتب ہوئے، لیکن اس بنا پر کسی زبان کے قواعد کو غیر معتبر نہیں کہا جا سکتا، اگر انہیں غیر معتبر مان لیا جائے، تو پھر دنیا کی کسی زبان کے قواعد صحیح نہ رہجائیں گے اور نہ ہمارے پاس کسی زبان کے صحیح طور سے سمجھنے کا کوئی ذریعہ رہ جائے گا،

زبان کے قواعد ہمیشہ کلاسیکل لٹریچر ہی سے مرتب ہوتے ہیں، اور اسکی تشریح و ثبوت کے لئے اسی کی مثالیں دیجاتی ہیں، چنانچہ عربی صرف و نحو میں بھی کلام عرب اور کلام اللہ کی مثالیں ہیں محض قیاسی کہدینے سے یہ غیر معتبر نہیں ہو سکتے، دیکھنا یہ چاہئے کہ وہ قواعد کہانتک عربی زبان پر منطبق ہوتے ہیں، اس لحاظ سے عربی کا کوئی کلام عربی صرف و نحو کے قواعد سے باہر نہیں ہے، شاذ مثالوں کا ذکر نہیں کہ شواذ تو ہر کلیہ میں ہوتے ہیں، اور کوئی زبان استثنا سے خالی نہیں ہے، ہاں اگر عربی کے قواعد بیشتر عربی کلام کا ساتھ نہ دیسکتے ہوں تو بیشک وہ غیر معتبر مانے جائینگے لیکن ایسا نہیں ہے، عربی زبان کے قواعد تو اسقدر جامع اور مکمل ہیں جسکی مثال دوسری زبانکے قواعد میں نہیں مل سکتی،

پھر عربی کے قواعد کی ترتیب اور نزولِ قرآن کے درمیان کوئی بہت بڑی مدت حائل نہیں ہے، یہ صحیح ہے، کہ اس زمانہ میں مکمل قواعد مرتب نہیں ہوئے تھے، اور شرح جامی اور کافیہ تالیف نہ ہوئی تھیں لیکن بقدرِ ضرورت قواعد خود حضرت علیؓ نے ابوالاسود دؤلی کو تعلیم دے کر ان سے مرتب کرائے تھے، (ابن ندیم ص ۵۹)

بلکہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت علیؓ سے بھی پہلے حضرت عمرؓ نے مرتب کرائے تھے، لیکن پہلی روایت زیادہ صحیح ہے کہ نحو کے اصول ابوالاسود کو حضرت علیؓ ہی نے تلقین کئے تھے، آپ سے بڑھکر زبان عربی کا ماہر کون ہو سکتا تھا، پھر اسی زمانہ میں ابوالاسود کے تلامذہ نے اس فن میں کمال حاصل کر کے اسکو پھیلایا، ان میں یحیی بن یعمر، عنبسہ بن معدان، میمون بن اقرن اور عیسی بن عمرو ثقفی زیادہ نامور تھے، عیسی نے نحو میں دو کتابیں بھی لکھی تھیں "کتاب الجامع" اور "کتاب المکمل" (ابن ندیم ص ۶۲) ان کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں نحو کے جملہ ضروری مسائل پر حاوی رہی ہونگی، پھر ان کے تلامذہ کا سلسلہ پھیلا، اس طرح نحو کی تدوین کا آغاز خلافتِ راشدہ ہی سے ہو گیا تھا، جب کہ اس کے پرکھنے والے، اور قرآن پر منطبق کر کے جانچنے والے صحابہ موجود تھے، اگر ان میں کوئی خامی بھی ہوتی، تو اسے رد کر دیا جاتا،

اس تفصیل سے عربی لغت اور قواعد کی بے اعتباری کے مغالطوں کا پردہ پوری طرح چاک ہو گیا ہو گا،

کلام اللہ اور اسلامی تعلیمات کی غلط تفسیر و تاویل کے اسباب

ہم نے جہاں تک غور کیا ہے قرآن مجید کی غلط تفسیر اور اسلامی تعلیمات کی غلط تاویل کے دو بڑے اسباب نظر آتے ہیں، ایک جدید تمدن سے ہماری دماغی اور ذہنی مرعوبیت، دوسرا مذہب میں آسانی اور سہولت کی تلاش اور نئے تعلیم یافتہ طبقہ میں مقبولیت کا شوق، یہ دوسرا سبب درحقیقت پہلے ہی سبب کا نتیجہ ہے، ضرورت ہے کہ ان دونوں پہلوؤں پر بھی نظر ڈال لیجائے، تاکہ اس بحث کا کوئی پہلو تشنہ باقی نہ رہ جائے، گو یہ بحث کسی قدر موضوع سے ہٹ جائیگی، لیکن ان اسباب کا اثر تفسیر قرآن پر بھی پڑتا ہے، اس لئے ضروری ہے،

آج جدید خیالات، نظریات اور اکتشافات کی روشنی میں قرآن کی جو نئی نئی تاویلیں ہوتی ہیں، وہ اہل نظر سے مخفی نہیں ہیں، آج سے نصف صدی پیشتر جب نیچر یا فطرت پرستی کا زور تھا، قرآن کو نیچر کے اصولوں پر منطبق کرنے کی کوشش کیجاتی تھی، اور جہاں دونوں میں تصادم ہوتا تھا، وہاں قرآنی آیات کی عجب مضحکہ انگیز تاویلیں کیجاتی تھیں، ہمارے بعض مشہور مفسروں کی تفسیروں میں اس قبیل کی تفسیر کے بہت سے نمونے موجود ہیں،

یہ کیا ہے؟ صرف ہماری ذہنی اور دماغی مرعوبیت کا نتیجہ، ورنہ فطرت یا نیچر کے قوانین ایسے اٹل اور ناقابل تغیر نہیں ہین، کہ ان کے مقابلہ مین قرآن کی صریح آیات کا انکار کیا جائے، یا اس کی رکیک تاویلیں کیجائین، نیچر یا فطرت کے قوانین اسی کا تو نام ہے، کہ عالم مادی جس نظام و قاعدہ پر چل رہا ہے، اس مین کوئی تغیر و تبدل ہمارے مشاہدہ اور تجربہ مین نہیں آیا، لیکن کسی چیز کا مشاہدہ اور تجربہ میں نہ آنا اور شے ہے، اور ناممکن الوقوع ہونا اور شے، کسی شے کا تجربہ اور مشاہدہ نہ ہونا، اس کے نہ ہوسکنے کی دلیل نہین، اسکی بنیاد پر ہم کسی شے کے امکان کا انکار نہیں کرسکتے، اور امکان کے بعد واقعہ کا ظہور ہوسکتا ہے، خصوصاً آج کل کی سائنس کی دنیا مین تو کوئی چیز بھی بعید نہیں رہ گئی ہے، ماضی کا محال موجود نظر آرہا ہے، ہوائی جہاز آسمانوں میں اُڑے پھرتے ہین، غیر مرئی چیزوں کے فوٹو لئے جاسکتے ہین، ہزاروں کوس کی مسافت سے باتیں کرسکتے ہین، بلکہ صورت دیکھ سکتے ہین، دوسرے سیاروں کی دنیا سے نامہ و پیام کے امکانات پیدا ہورہے ہیں، آج سے نصف صدی پیشتر اسے کون نیچر پرست یقین کرسکتا تھا،

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اپنے محدود علم محدود تجربات اور محدود خیال کے مطابق نیچر کا یہ تخیل قائم کرلیا ہے کہ اسمیں تغیر و تبدل نہین ہوسکتا، حالانکہ کائنات کے اسرار بے پایان ہین، جہاں تک ہمارا وہم و قیاس بھی نہیں پہنچ سکتا، اس وقت تک جو تحقیقات ہوچکی ہے، وہ سائنس دانون کے بقول سمندر کے مقابلہ مین ایک قطرہ سے زیادہ نہیں ہے، ایسی ناقص تحقیق و تجربہ پر ہم کلام الٰہی کی بنیاد کیونکر رکھ سکتے ہین، مین یہ نہین کہتا کہ جدید تمدن کی ضد مین اصلی واقعات کو چھپایا جائے یا غلط اعتراضات کا جواب نہ دیا جائے یا اسلام سے متعلق غلط فہمیون کو دور نہ کیا جائے یا یورپ کے اچھے خیالات کی خواہ مخواہ مخالفت کیجائے یا ان کے مقابلہ مین اپنی بہتر تعلیمات کو پیش نہ کیا جائے، لیکن ان سب میں اسلام کی معذرت خواہی کے عجز اور درماندگی کے بجائے اسکی صداقت حقانیت اور برتری کی تمکنت کا جلوہ ہو، اور جہان ان کے اصولون سے اسلامی تعلیمات کا تصادم ہو، وہان اپنی تعلیمات میں تاویل کرنے کے بجائے انکے بنائے ہوئے

اصولون پر نہایت جرأت سے تنقید کیجائے،

یہ غلطی آج کی نہیں، بلکہ اس زمانہ سے چلی آرہی ہے، جب کہ ہمارے بعض متکلمین نے حسن نیت لیکن علمی مرعوبیت سے اسلامی عقائد کو فلسفۂ یونان سے پرکھنے کی کوشش کی اور آج ہم انھین یورپ کے بنائے ہوئے اصولون پر جانچنے اور ان پر منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہین، لیکن اب ایک نئے علم کلام کی ضرورت ہے، کہ ہم اپنے عقائد و تعلیمات مین تاویل کے بجائے یورپ کے خیالات اور اصولوں پر تنقید کرکے ان کی غلطی دکھائین، قدیم اسلامی دور مین بھی ایسے بالغ نظر اور عالی ہمت علماء موجود تھے جنھون نے فلسفۂ یونان کے مقابلہ مین عجز و درماندگی کا اعتراف نہیں کیا، بلکہ اس پر تنقید کرکے اس کے مسلمات کو توڑا، گو اب بحمد اللہ ملک میں ایسی جماعتین اور اشخاص پیدا ہوگئے ہین، جو زبان و قلم سے اس فرض کو ادا کررہے ہین، لیکن ضرورت اس کی ہے، کہ ہمارے علماء اور ارباب فکر اپنی تقریرون و تحریرون اور تصانیف میں اس کا خاص لحاظ رکھیں، اور نہ صرف اسلامی عقائد و تعلیمات مین بلکہ مذہب، سیاست، تہذیب و معاشرت ہر شعبہ مین ہماری حیثیت مدافعانہ نہیں بلکہ جارحانہ اور فاتحانہ ہونی چاہیئے، ہمکو غلامی سے ہرگز انکار نہ کرنا چاہئے بلکہ جس حد تک اور جس نوعیت کی غلامی اسلام مین تھی اس کا اعتراف کرنا چاہئے، کہ اسلام میں غلامی ہے، اور یقیناً ہے، لیکن وہ غلامی جس پر تمہاری ہزارون آزادیان قربان ہین، تم نے اسلام کی غلامی کو اپنے دور جہالت کی غلامی سمجھا ہے، جب تم غلامون کے ساتھ جانورون سے بدتر سلوک کرتے تھے، اسلام کا غلام تو آقا کے گھر کا ممبر ہے، آقا کو اسکے ساتھ مساوات کی تاکید ہے، کہ وہ غلام کو اپنے جیسا کھلائے، اور اپنے جیسا پہنائے، انھیں کسی قسم کی اذیت نہ دیجائے، اسلام نے غلامون کو زمین کی پستی سے اٹھا کر آسمان کی بلندی تک پہنچا دیا، مسلمانون نے انھیں اپنا ہادی اور راہبر بنایا، انھیں علم کی مسند اور حکومت کے تخت پر بٹھایا، انھیں ہر طرح کی ترقی کے مواقع عطا کئے، تم زبان سے تو غلامی کی مذمت کرتے ہو، لیکن عملاً ساری دنیا کو غلام بناتے ہو، اور ان کے ساتھ حیوانون سے بدتر سلوک کرتے ہو، آج امریکہ میں حبشیون کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے، بلکہ تمام محکوم

قوموں کے ساتھ حاکم قوموں کا طرز عمل کیا ہے؟ ہمیں اس کا اقرار کرنا چاہئے، کہ تعدد ازدواج عدل کے سوا بلا کسی شرط و قید کے جائز ہے، تم صرف قانونی ایک بیوی سے زیادہ نہیں رکھتے ہو، اس کے بعد ہم ایک سے زیادہ عورتوں کو باقاعدہ بیوی بنا کر انہیں رفیقۂ حیات کا درجہ دیتے ہیں، تم ان سے کھیلتے ہو، تم تعدد ازدواج کو وحشیانہ رسم سمجھتے ہو، لیکن تمہارے ملک میں مردوں کی پیدائش کی قلت کے مقابلہ میں عورتوں کی پیدائش کی کثرت کا کیا علاج ہے، بڑی بڑی لڑائیوں میں لاکھوں مرد کٹ جاتے ہیں، عورتوں کی یہ فاضل تعداد کہاں کھپاؤگے، اگر آج نہیں تو کل تم تعدد ازدواج کے قائل ہوگے،

اسلام نے پردہ اور آزادی نسواں کی جو حد مقرر کی ہے، وہ نہ صرف نسوانی عفت و حیا کے لئے ضروری ہے، بلکہ اس پر خانگی زندگی کی خوشگواری اور ناخوشگواری کا دار و مدار ہے، رسمی پردہ کا ذکر نہیں تمہارے یہاں عورتوں کی غیر محدود آزادی، اور عورتوں اور مردوں کے بے باکانہ اختلاط کے نتائج روز روشن کی طرح عیاں ہیں، تمہاری عورتوں کی بے قید آزادی نے تمہاری خانگی زندگی تلخ کر دی ہے اور تمہارا نظام معاشرت تباہ کر دیا ہے، تم بیویوں سے راحت و سکون حاصل کرنے کے بجائے سیرگاہوں اور بازاروں میں تفریح طبع کا سامان ڈھونڈتے ہو، پھر عورتوں کی آزادی کے ترانے کے باوجود آج اٹلی اور جرمنی میں کیا ہو رہا ہے، عورتیں، کالجوں، یونیورسٹیوں، پارکوں اور تفریح گاہوں سے گھسیٹ کر گھر کی چار دیواری میں لائی جا رہی ہیں،

تم کہتے ہو کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا، اگرچہ یہ صحیح نہیں ہے، لیکن اگر صحیح بھی مان لیا جائے، تو بھی ہم کو اس کے لئے قطعاً کسی ندامت و پشیمانی یا تاویل کی ضرورت نہیں، ہمارے عقیدہ میں اسلام دین حق اور خدا کا آخری قانون ہے، اور باطل کے مقابلہ میں حق کی حمایت کے لئے کبھی تلوار بھی اٹھانی پڑتی ہے، مصرع:

کار حق گاہ بشمشیر و سناں نیز کنند

ہماری تلوار تمہاری توپ سے کہیں زیادہ دنیا کے لئے باعث رحمت تھی، اگر ہم نے تلوار سے بھی اسلام کو پھیلایا تو ایسی چیز کو پھیلایا جس پر ہمارے عقیدہ میں ساری دنیا کی دینی اور دنیوی فلاح کا دار و مدار ہے، اسلئے اگر ہم نے انسانوں پر جبر سے کام لیا، بھی تو اپنے عقیدہ کے مطابق خود ان کی صلاح و فلاح کیلئے، اپنی ذاتی غرض اور دنیا میں اپنی حکومت پھیلانے کے لئے نہیں، پھر دنیا کی ہر حکومت کا قانون اس کی رعایا کے لئے ماننا ضروری ہے، اگر نہ مانے گی تو جبر سے منوایا جائے گا، اسلام خدا کا آخری قانون ہے، اور ساری دنیا اسکی رعایا، اور مسلمان اسے نافذ کرنے والے، اس لئے ان کا فرض تھا، کہ وہ ساری دنیا کو اس کا پابند بناتے،

تم تو اپنے ذاتی اغراض کے لئے، اپنی تجارت کے لئے، اپنی حکومت کے لئے، حصول دولت کے لئے، تہذیب و شائستگی سکھانے کے پردہ میں ساری دنیا کو توپ کے زور سے غلام بنا رہے ہو، ہم نے مسلمان بنانے کے بعد ان کو ہر چیز میں برابری کا درجہ دیا، اور تم اپنے محکوموں کے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک کرتے ہو، تم نے اپنے دور جاہلیت میں نہیں، بلکہ دور تہذیب میں عیسائیت کی تبلیغ کے لئے کیا کیا ذرائع اختیار نہیں کئے، تم نے قوموں کو مسخ کر دیا، پرانی تاریخ کو جانے دو، ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانہ میں ہندوستان میں تبلیغ کے لئے کیا کچھ نہیں کیا، مذہب تو اب تمہارے یہاں برائے نام رہ گیا ہے، اسکی جگہ سیاست نے لے لی ہے، اور سیاست کے جو خونیں تماشے تم روز کھیلا کرتے ہو، وہ دنیا کی نگاہوں کے سامنے ہیں، یہی حال تمہاری رواداری کا ہے، تمہاری رواداری کا درس اسی وقت تک رہتا ہے، جب تک تمہارے اغراض میں رواداری حائل نہ ہو، ورنہ چنگیز و ہلاکو کی داستانیں بھی تمہاری ادوار کے مقابلہ میں ہیچ ہو جاتی ہیں،

خلافت راشدہ اور اسلامی حکومتوں کو ہمیں یورپ کے موجودہ جمہوری نظام پر ہرگز جانچنے کی ضرورت نہیں، ہمارا نظام جیسا کچھ بھی تھا، تمہاری جمہوریت سے کہیں بہتر تھا، تم زبان سے جمہوریت جمہوریت

پکارتے ہو، لیکن تم جمہوریت کی روح سے ناآشنا ہو، تمھاری جمہوریت بدترین استبداد کا بدترین نمونہ ہے، جمہوریت کے صرف یہ معنی نہیں ہین، کہ ایک جماعت کے مشورہ سے حکومت چلائی جائے، یا حکمران وقتاً فوقتاً بدلتے رہین، خواہ وہ جماعت کیسی ہی خودغرض اور مستبد کیون نہ ہو، حقیقی جمہوریت یہ ہو کہ خواہ ایک فرد حکمران ہو یا ایک جماعت، ساری رعایا کے ساتھ بلا فرق وامتیاز یکسان عدل وانصاف برتا جائے، اس کے لئے سامانِ راحت مہیا کیجائے، اسکی صلاح وفکر کے ذرائع اختیار کئے جائین، سب کو یکسان ترقی کے مواقع حاصل ہون، ملک مین امن وامان اور فارغ البالی ہو، کوئی فرد ننگا بھوکا نہ رہنے پائے، اس اعتبار سے تمھاری جمہوریت کا جو حال ہے، وہ ساری دنیا پر ظاہر ہے، اگر کسی حد تک تمھارے یہان جمہوریت ہے بھی، تو اس کے فوائد صرف تمھاری قوم تک محدود ہین، بلکہ قوم کے خاص طبقہ تک، اسلئے نتیجہ کے اعتبار سے تمھاری جمہوریت اور مستبد شخصی حکومت مین کوئی فرق نہیں، اس کے مقابلہ میں ہمارے اصولِ حکمرانی رعایا کے لئے ابر رحمت تھے،

پھر تجربہ سے ہر زمانہ مین نظام حکومت بدلتا رہتا ہے، جس ملک میں چند سال پہلے جمہوریت کا شور تھا، آج وہان آمریت کا زور ہے، اب ہم عقیدت کیشون کا فرض ہو کہ حضرت عمرؓ کو اسلامی آمریت کے مثال مین پیش کرین، اور جب آیندہ حکومت کا کوئی اور تخیل بدلے تو پھر کوئی اور مثال تلاش کرین،

یہ صرف چند مثالین دی گئی ہین، ورنہ زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے، جس مین ہم ذہنی غلامی میں گرفتار نہ ہون، مسلمانوں میں چونکہ بطور نشان کے مذہب کو آگے آگے رکھنے کی رسم جاری ہے، اور کچھ عام مسلمانون کے خوف سے بھی اس کا نام رکھنا ضروری ہے، اس لئے ہر میدان میں وہ تائید وحمایت کے لئے ساتھ رکھا جاتا ہے، اور پھر اسکی عجیب وغریب تاویلین کیجاتی ہیں، بعض لوگوں کو اس پر تعجب ہوگا کہ یہ شخص کس زمانہ کی باتین کر رہا ہے، آج تو یورپ کی ہر شے سے نفرت کیجا رہی ہے، اور یہ واہی

بہانا راگ الاپتا چلا جا رہا ہے، لیکن ذرا ٹھہرئیے پرانے واقعات وہرانے کے بعد نئے حالات پیش کئے جاتے ہین، یہ غلط ہے کہ اب زمانہ بدل گیا، اور ہم یورپ کی ذہنی غلامی سے آزاد ہوگئے، غلامی اب بھی وہی ہے، صرف شکل بدل گئی ہے، تغیر صرف پوست کا ہے مغز کا نہیں، ہم صرف یورپ کی سیاسی سخت گیریون سے گھبرا گئے ہین، باقی ان کے تمدن کی پیداوار کے اب بھی ویسے ہی قدر دان اور شیدائی ہین، انگریزون کے نہ سہی سوویٹ حکومت کے سہی، اور اب ان کے سیاسی نظریوں کو چھوڑ کر ان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں،

یہ سوشلزم، کمیونزم، محدود قومیت ووطنیت، اپنے مذہب وروایات سے انکار، الحاد وبے دینی یہ سب کیا ہیں، وہی یورپ کی صدائے بازگشت، یہ مین نہیں کہتا کہ ان تحریکوں کی پیدا کردہ سب چیزین ناقابلِ قبول اور بُری ہین، ع

خدا شرے برانگیزد کہ خیرے ما دران باشد

کے اصول پر ان جدید تحریکون نے ہمارے بعض پُرانے بھولے ہوئے فرائض مثلاً قوم کی خدمت، ملک کی آزادی، غربا کی حمایت ودستگیری، مظالم کا مقابلہ وغیرہ کو یاد دلا دیا، ان میں سے کوئی چیز ہماری لئے نئی نہین ہے، لیکن چونکہ ہم اپنے پرانے بھولے ہوئے سبقوں کو بھی دوسرون ہی کی زبان سے سُن کر یاد کرنے کے عادی ہوگئے ہین، اس لئے جب تک یہ چیزین یورپ کی راہ سے نہ آئین، اس وقت ہمارے لئے ناقابل قبول تھین، ہماری پرانی نسلون نے انگریزون کی حکومت، ان کی تعلیم، ان کی تہذیب ومعاشرت ہر چیز کی مخالفت کی، لیکن ان کی اس مخالفت کو تعصب اور جہالت پر محمول کیا گیا، اب جب کہ یہی چیزین یورپ اور سیاست کی راہ سے آئین، تو نہ صرف قابلِ قبول ٹھہرین، بلکہ دین ومشرب بن گئین، اور اپنا دین ومشرب بھی اس پر سے قربان کر دیا گیا، لیکن چونکہ وہ دوسری راہ سے آئیں، اس لئے اسکے ساتھ اس کی تمام برائیان بھی آئین، ہم نے قومیت اور ملک کی خدمت کا سبق یورپ کی نیشنلزم سے سیکھا، اس لئے قوم اور ملک کی خدمت کے ساتھ "قوم اور وطن پرستی" بھی آگئی، اور اس "پرستش" کے مقابلہ میں قابلِ پرستش شے

قابلِ نفرت قرار پائی، اور قومیت کے محدود خیال پر ہر متاعِ عزیز قربان کردی گئی، اسی طرح غربا کی امداد و دستگیری اور مظالم کے انسداد کا سبق ہم نے کارل مارکس اور لینن کی کتاب سے سیکھا، اسلئے الحاد و دہریت بھی اسکے ہمرکاب آئی، اور مذہب عہد جاہلیت کی نشانی قرار پایا، کہ سب سے بڑا مجرم تو وہی ہے، جو انسانوں کو پابند بناتا ہی، حالانکہ یورپ کی نیشنلزم سراسر خود غرضی ہی، یعنی اپنی قوم کے فائدہ کے لئے ساری دنیا کی اقوام کے فوائد کو قربان کردینا، گو ابھی یہ چیز ہم مین پیدا نہیں ہوئی ہے، لیکن ایک نہ ایک دن آکر رہے گی، ابھی یہ شے اسلئے نہین پیدا ہوئی، ہی، کہ ہم خود مظلوم ہین، اور ایک مظلوم کسی پر کیا ظلم کرسکتا ہی، لیکن اس کے آثار نمایان ہین، اس کا ثبوت یہ ہی کہ ہندوستان کے طبقون مین جس کے ہاتھ مین جس حد تک قوت آتی جاتی ہی، وہ دوسرون کے حقوق دباتا جاتا ہے، جب آپس مین یہ حال ہی، تو قوت آنے کے بعد دوسرون کے ساتھ کیا طرزِ عمل ہوگا، ع

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا،

ہم نے اوپر غلط تفسیر و تاویل کے دو سبب بتائے تھے، ایک جس کی اوپر تفصیل کی گئی، دوسرا مذہب مین آسانی و سہولت کی تلاش اور جدید طبقہ مین مقبولیت کی خواہش، لیکن سوال یہ ہے کہ اسکی حد کیا ہوگی، اور اسے کون مقرر کرے گا، سہولت کے بھی مدارج ہیں، ہر شخص کا معیارِ سہولت جدا ہے، ایک شخص کے لئے جو چیز مشکل ہے، وہی دوسرے کے لئے آسان، ایک شخص جس شے کو زحمت سمجھتا ہے، دوسرا اُسکو عین رحمت، ایک مومن کو شب بیداری مین نہ صرف سہولت معلوم ہوتی ہے، بلکہ راحت، دوسرے کے لئے جمعہ اور عیدین کی نماز بھی بار ہے، ایک شخص روزہ کی سختی نہیں برداشت کرسکتا، لیکن دوسرے کے لئے نہایت معمولی بات ہے، ایک شخص کی نگاہ مین ذرہ ذرہ معرفتِ کردگار کا دفتر ہے، دوسرے کے دماغ مین خدا کا وجود بھی نہین سماتا، ذوق اور طبائع کا یہ اختلاف تنہا اسلام اور مذہب ہی تک محدود نہیں ہے، بلکہ دنیا کی ہر شے میں ساری ہے، ایسی حالت مین سہولت کا

معیار کیا ہوگا، اور اسے کون مقرر کرے گا، اور ایک کا مقرر کردہ معیار دوسرے کے لئے کس اصول پر قابلِ تسلیم ہوگا، اسلئے جبتک کوئی ایسی حد مقرر نہ ہو جو ہر شخص کے لئے واجب التسلیم ہو، اس وقت تک ہر شخص آزاد رہے گا، اپنی عقل و فہم، اپنی آسانی و سہولت اور اپنے اغراض و مصالح کے مطابق جو حد چاہے مقرر کرے، اس وقت مذہب مذہب نہ رہے گا، بلکہ ذاتی خیال اور رائے بن جائے گا، ایسے آزاد طبائع سے ہمین بحث نہیں، اور نہ ان سے خطاب ہی، لیکن جو لوگ اسلامی تعلیمات کے تحفظ کے مدعی ہیں، انھین تو بہرحال، مذہب کے مقرر کردہ حدود ہی کو معیار ماننا پڑے گا، اور اس کے ماننے کے بعد انشاء اللہ انکو کسی غلط تاویل کی ضرورت نہ پڑے گی،

مولانا کاتبی نیشاپوری

از مولانا عبد السلام ندوی

(۳)

(مضامین رندانہ)

مولانا کاتبی کے دور سے پہلے خواجوے کرمانی اور خواجہ حافظ نے مضامین غزل میں جو تنوع پیدا کیا تھا، اوس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، لیکن ان مضامین میں سب سے زیادہ حُسن قبول رندانہ مضامین کو ہوا تھا، کیونکہ ایک طرف تو وہ عیش و طرب کا زمانہ تھا، دوسری طرف خواجہ حافظ نے خاص طور پر ان مضامین مین جوش و اثر پیدا کر دیا تھا، اسلئے شعرا نے ان مضامین کی طرف خاص توجہ کی، بالخصوص مولانا کاتبی نے تقریباً وہی رنگ اختیار کیا جسکو خواجہ صاحب نے اختیار کیا تھا، رندانہ کلام کی اصل خوبی شگفتگی، سرمستی اور جوشِ بیان ہے، خواجہ حافظ کے رندانہ کلام کی یہی خصوصیتین ہین، اور مولانا کاتبی کے رندانہ کلام مین بھی یہ خصوصیتین بدرجۂ اتم پائی جاتی ہین مثلاً

صوفی بیا بمیکدہ در کش مے صبوح — خواہی کہ مستِ عشق شوی رو کمن فتوح

زان پیشتر کہ لالہ بروید ز تربتت — بستان پیالۂ ز کفِ ساقیِ صبوح

ہرگز نصیحتے نہ کند مے فروش را — آن ناصحے کہ مید ہدہم توبہ نصوح

کو کوزۂ شراب کہ کشتی شکستہ را — صد کار گاہ غصہ بہم برزند چو نوح

اے کاتبی مباش دمے بے شراب ناب — زان رو کہ نیست زندہ تن مرد جز بروح

نا آشنائے می ہمہ جا اجنبی بود — از شرب توبہ غایتِ بے مشربی بود

گر گویدت فقیہ کہ واعظ ز ریست پاک — مشنو کہ آن گواہی او مغربی بود،

دے کہ بیل فنا رخت شیخ و شاب برد — دوم بمیکدہ شاید مرا شراب برد،

بگیر دامنِ زاہد کہ گر فسردہ شود — جہان تراست کہ بنیاد عالم آب برد

ای حریفان ساغرِ گلرنگ می باید زدن — شیشۂ ناموس را بر سنگ می باید زدن

پیشتر زان دم کہ خاکِ ما رود بر باد عشق — خویش را بر آب آتش رنگ می باید زدن

تا بکے خون خوردن و کردن فغان در صومعہ — بادہ می باید کشید و چنگ می باید زدن

نام و ننگ از شاہد و مے باز میدارد مرا — یک قدم بر فرق نام و ننگ می باید زدن

کاتبی خوش وقت شد ز آہنگ پیر میکدہ — راہ ما را ہم بدین آہنگ می باید زدن

(مضامین صوفیانہ)

مولانا کاتبی جس دور کے شاعر ہین اس دور کے صوفی شعرا مین مغربی المتوفی ۸۰۹ھ شاہ نعمت اللہ المتوفی ۸۳۴ھ جامی المتوفی ۸۹۸ھ زیادہ مشہور ہین، اور ان کے صوفیانہ کلام کے متعلق مولانا شبلی علیہ الرحمہ شعر العجم مین لکھتے ہین:-

"شاہ نعمت اللہ مین شاعری کم ہے، مغربی کا کلام سرتاپا مسئلۂ وحدت کا بیان ہے، چونکہ تخئیل اور جدت کم ہے، اسلئے طبیعت گھبرا جاتی ہے، ایک ہی بات کو سو سو بار کہتے ہین، اور ایک ہی انداز مین کہتے ہین، جامی نے بہت کہا اور تصوف کا بہت بڑا ذخیرہ تیار کر دیا، سلسلۃ الذہب مین اکثر مقامات تصوف کی نہایت تفصیل سے شرح لکھی ہے، لیکن اس مین شاعری نہین اسلئے یہ کہنا چاہئے کہ تصوف کے مسائل نظم کر دئے ہین جس طرح نامِ حق فقہ مین ہے"[1]

---

[1] شعر العجم جلد پنجم ص ۱۳۱،

ان میں شاہ نعمت اللہ کے صوفیانہ کلام کا رنگ یہ ہی،

چنان سرمست و شیدائیم کہ پا از سر نمیدانم — دل از دلبر نمیدانم مے از ساغر نمیدانم

بروائے عشق سرگردان مرا باکار من بگذار — کہ من سرمست و حیرانم بجز دلبر نمیدانم

شدم از ساحل صورت بسوی بحر معنی با — چہ جائے بحر و بر باشد بجز گوہر نمیدانم

دلم چو مجمر عشقش چو آتش جان من چو عود — ہمی سوزم روان چون عود من مجمر نمیدانم

من آن نادان دانایم کہ می بینم نمی بینم — ازان میگیریم از حسرت کہ سیم از زر نمیدانم

برآمد نور سبحانی چہ کفر و چہ مسلمانی — طریق مومنان دارم ولے کافر نمیدانم

بجز یا ہو و یا من ہو چو سید من نمیگویم — چہ گویم چونکہ در عالم کسے دیگر نمیدانم

مولنا کاتبی کا زمانہ بھی یہی ہے اور ان کے اور شاہ نعمت اللہ کے سن وفات میں صرف چار برس کا فرق ہے، اس لئے مولنا کاتبی کی صوفیانہ غزلون کا بھی یہی انداز ہے، البتہ شاہ نعمت اللہ کے کلام سے ملائیت کی بو آتی ہے، اور مولنا کاتبی کے کلام کا رنگ بالکل شاعرانہ ہے، مثلاً

ای خوش آن روز کہ از ننگ تن و جان برہم — ہر تعلق کہ بجز عشق بود زان برہم

درد سر تا بکے و زحمت سامان تا چند — ترک سر گیرم و از زحمت سامان برہم

بروائے رشتۂ جان سوزن عیسی آمد — تا بدوزم دل و از چاک گریبان برہم

رستہ ام از بد و از نیک مرا قید نو نیست — جز نکویان و نخواہم کہ از ایشان برہم

کاتبی نیست خیالات جہان جز خوابے — نالہ کن کہ ازین خواب پریشان برہم

ز چشم اہل نظر کسب کن حیات ابد — کہ آب خضر درین جویبار می گذرد

تفرج از طلبی شاہ راہ دل مگذار — کہ شہریار ازین رہ گذار می گذرد

کے بمقصود رسد تا نکند دل دریا — ہر گرا در صدف جان گہرے می باید

سالکان را سر و پا سنگ رہ شیر دلیست — مرد این قافلہ بے پا و سرے می باید

کاتبی یار دے نیست برون از دیدہ — این قدر ہست کہ صاحب نظرے می باید

عہدے کہ با تو بستہ ام اے کعبۂ صفا — تغییر آن بعد منازل نمی شود

بہتر ز صد کمال ببود بے زوال — این عشق بے زوال کہ زائل نمی شود

انوار علم عشق ز نور ہدایتست — اینہا بدود مدرسہ حاصل نمی شود

اگر تو طائر قدسی مباش فارغ بال — کہ جبرئیل درین راہ پر بہنداز د

برد و ز چشم صورت اگر اہل معنی — آسودہ دل ز عالم خواب و خیال باش

اکنون کہ دل بعالم یکرنگی افتاد — اے چہرہ خواہ زرد نما خواہ آل باش

(مضامین اخلاقی)

اگرچہ محاسن اخلاق کی بہت سی قسمیں ہین، لیکن غزل گو شعراء نے ان مین سے صرف چند محدود اخلاق مثلاً استغنا، بے نیازی، قناعت اور خاکساری وغیرہ کو انتخاب کر لیا ہے، کیونکہ شاعری میں اخلاق کا جو سرمایہ ہے، وہ تصوف کے ذریعہ سے آیا ہے، اور یہی چیزین صوفیانہ نظام اخلاق کا نمایان جزء تھیں، اور مولنا کاتبی نے انہی مضامین کو نہایت خوبی کے ساتھ غزل میں بیان کیا ہے، مثلاً

مارا بزر و سیم جہان میل نباشد — مردیم و ننازیم بسرخی و سفیدی

برائے آتش حرص آبروی خویش مریز — کہ خاک رہ بسر گنج دنیوی بادا

لیکن مولنا کاتبی کی غزلون مین اس قسم کے اخلاقی مضامین کی کثرت نہیں ہے، بلکہ وہ خال خال آگئے ہیں، اس لئے ان مضامین کی کثرت و تنوع سے مولنا کاتبی کی غزلوں کی لطافت اور رنگینی مین کوئی فرق نہین آیا ہے، بلکہ وہ عشق و محبت کے جذبات سے بالکل لبریز ہین صنائع

و بدائع کی پابندی نے بھی ان کی غزلون کو جذبات و احساسات سے بالکل بیگانہ نہیں کیا ہی، بلکہ بعض بعض غزلین نہایت پرجوش، ولولہ انگیز اور پُرازجذبات ہین، مثلاً

شبے کہ ماہِ رخت شد چراغِ خلوتِ ما
گداخت شمع دنیا ورو بار جلوتِ ما

ز لطف بود کہ مارا غلام خود خواندی
وگرنہ پیش تو پیداست قدر و قیمتِ ما

بکوے عشق درآ کاتبی بطبل و علم
کہ دورِ حملہ گذشت و رسید نوبتِ ما

آن کو بتو دل بست کشادِ دو جہان یافت
وآنکس کہ ترا یافت مرادِ دو جہان یافت

ہر خستہ کہ جان داد و ستاد از دولتِ کام
مقصودِ دل از داد و ستادِ دو جہان یافت

از خال و خطت کاتبیٔ سوختہ دم زد
تا آگہی از خط و سوادِ دو جہان یافت

پیش خیالت آرم این نیم جان کہ باشد
در خانہ ہرچہ باشد مہمان ہر آنکہ باشد

سودائے زلف و خالت پنہان چگونہ دارم
مشک آنکہ خود نماید در ہر مکان کہ باشد

بازارِ حسن یوسف گر بستہ شد تو مانی
باید متاعِ نیکو از ہر دکان کہ باشد

بوے تو گر گل آرد گاہے نسیم سوسن
پیغامِ تو خوش آید از ہر زبان کہ باشد

ای کاتبی ز زلفش سوداست کارِ سودا
یکسر بگردن من زین ہر زیان کہ باشد

تا یار ہمایون قدمم باز نیاید
مرغِ طرب رفتہ بپرواز نیاید

یوسف اگر آید بوجود از عدم آباد
او نیز بدین حسن بدین ناز نیاید

ہر جا کہ برآید سخنے از لبِ شیرین
چون بشنود از نے شکر آواز نیاید

ہر کس کہ یکے جرعہ نوشد ز شرابت
چندان رود از خود کہ بخود باز نیاید

ہر چند کہ آوازۂ شمشاد بلند است
در معرضِ قدِ تو سرافراز نیاید

با ہیچ کسے دم نزند کاتبی از تو
تا ہیچ کشش غیر تو دمساز نیاید

خوابِ نرگسِ او مستیٔ دگر دارد
خوش آن حریف کہ این جام در نظر دارد

درون سینہ دلم را ہمین بود شادی
کہ روز و شب غم آن پارۂ جگر دارد

مدام منتظرِ تیر اوست سینۂ من
چو عاشقے کہ دلآرام در سفر دارد

بشہرِ عشق کجا کاتبی رسد آسان
رہِ ولایتِ ما عقبہ بیشتر دارد

غزل میں اخلاقی مضامین کو سب سے زیادہ صائب اصفہانی اور غنی کشمیری نے تمثیلی اسلوب میں بیان کیا ہے، مولانا کاتبی کے کلام مین بھی جا بجا تمثیل پائی جاتی ہے، لیکن انھون نے اخلاقی مضامین کے بجائے اوس سے عاشقانہ کلام مین کام لیا ہے، مثلاً

آمد نشانِ عاشقی اشکم کہ گلگون میرود
وانند ماہی کشتہ شد چون سرخ بیند آب را

تا دور افتد از تو دل خوار اند چشم و جانِ من
سلطان چو از تخت او فتد نکبت بود نواب را

دل ز زلفش تا بدور افتاد دارد تاب و پیچ
در سفر دانند مردم قدر جاے خویش را

غم ندارم چون خیالِ خالت آید در درون
شاد باشد عنکبوتے چون مگس در دام یافت

جان را صداے تیغ تو از رنجِ تن رہاند
آواز آب زحمتِ بیماری برد

درون ز غیر بپرداز و روے یار ببین
کہ مہ عیان نشود تا ہوا نہ گردد صاف

خیالِ آن مژہ تا رفت دل شکستہ شدم
بلے جدائی خنجر بود شکست غلاف

مولینا کاتبی سے پیشتر بھی تمثیل سے زیادہ اخلاقی مضامین مین کام لیا گیا ہے، چنانچہ امیر خسرو نے بحر الابرار کے نام سے ایک بڑا امیر حاصل قصیدہ لکھا ہی، جس مین یہ التزام کیا ہی کہ ہر شعر میں دعویٰ اور اس کے ساتھ دلیل ہو[1] مثلاً

کوسِ شہ خالی و بانگ غلغلش دردسراست
ہر کہ قانع شد بخشک و تر شہ بحر و براست

[1] شعر العجم جلد دوم صفحہ ۱۶۶،

لیکن غالباً یہ جدت سب سے پہلے یا سب سے زیادہ مولینا کاتبی نے پیدا کی کہ اوس سے عاشقانہ مضامین مین کام لیا، قدیم زمانہ مین اخلاق کی بنیاد صرف تصوف اور سیاست پر قائم تھی، اور ان دونون نے جو اخلاقی مسائل پیدا کر دیے تھے، ان کی نوعیت بالکل مختلف تھی، تصوف نے استغنا، بے نیازی، توکل، قناعت، اور دنیا کی بے ثباتی کے مضامین پیدا کئے تھے، اور چونکہ ساتوین صدی مین تصوف کا زیادہ زور ہوا، اور اسی صدی میں غزلگوئی نے بھی بہت زیادہ ترقی کی[1] اس لئے قدرتی طور پر اس قسم کے اخلاقی مضامین غزل میں شامل ہوگئے، اور مولینا کاتبی نے غزل مین انہی اخلاقی مضامین کو بیان کیا، سیاست نے جو اخلاقی مسائل پیدا کر دئے تھے، مثلاً عدل وانصاف، وغیرہ، چونکہ وہ غزل سے مناسبت نہین رکھتے تھے، اس لئے غزل گو شعرا نے ان مضامین سے تعرض نہین کیا، بلکہ ان کے لئے مثنوی مخصوص کر دیگئی، اور مختلف حکایتون کے ضمن مین اس قسم کے اخلاقی مسائل بیان کئے گئے، شیخ سعدی نے بوستان مین ان اخلاقی مسائل کو نہایت موثر حکایتون مین بیان کیا ہے، اور مولینا کاتبی نے بھی ان مسائل کو دو مختلف مثنویون مین بیان کیا ہے، چنانچہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مین ہے کہ

"اخلاقی اور عشقیہ شاعری مین اوس نے ایک کتاب دہ باب اور تجنیسات لکھی"

دہ باب کا طرز یہ ہے کہ مختلف حکایتون مین انھون نے اس قسم کے اخلاقی مضامین بیان کئے ہین، اور دو مردون کی زبان سے بادشاہون کو عدل وانصاف اور نیکی کرنے کی تعلیم دی ہے، مثلاً ایک حکایت لکھی ہے، کہ ملک حبش مین ایک نہایت ظالم بادشاہ تھا، لیکن اس کے بالکل برعکس اوس کا وزیر اس کو ہمیشہ عدل وانصاف کی ترغیب دیتا تھا، لیکن اوس پر اس کا مطلق اثر نہین ہوتا تھا، ایک بار اتفاق سے وہ بادشاہ شکار کھیلنے گیا، اور ایک ہرن کو دوڑاتا ہوا ایک جگہ پہونچا، جہان اوس نے

دید در کنجے یکے دلسوختہ   ہم لباس وسینہ ہم دلسوختہ

[1] شعر العجم حصہ دوم ص ۴،

رفت وہم صحبت بدان درویش گشت   کرد یک ساعت بدان درویش گشت

گفت اینجا از چہ گشتی پاے بند   ہست اینجا گوئیا در پاے بند

گفت بس کز جور تو درماندہ ام   راست ہمچون حلقہ بر در ماندہ ام

بہر سوزش شمع تو بفروختند   یا خلائق را تو بفروختند،

برجہان این نوع بیداد تو چند   این ہمہ بیدادی و بیداد چند،

عدل کن گر بایدت نام آوری   کز عدالت می شود نام آوری

کرد شاہ از ظالمی کوتاہ دست   پاک شید از ظلم و شد کوتاہ دست

ایک حکایت لکھی ہے، کہ جب سکندر نے سد سکندری قائم کی، تو ایک شخص اوس کے پاس آیا اور

گفت شاہی زین عمارت ساختن   بایدت زین بہ عمارت ساختن

زین اساس کش بقا دہ روزہ است   باز کش دامن کہ این دہ روزہ است

کے شود معمور این دیرین سراے   یک عمارت کن در نیہا بر سراے

چون نہ بیند بد بعالم خیر کوش   تا نہ بینی بد تو ہم در خیر کوش

کاتبی جز بد نہ گردد سرنگون   نیک اگر باشی نہ بینی سرنگون

لیکن مولینا کاتبی نے زیادہ تر اس مثنوی مین نیک صحبت اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے،

صحبت دانا دہد چون مشک بوئے   بے خطا در صحبت او مشک بوے

بادرون پاک صحبت خوش بود   آنکہ باشد پاک صحبت خوش بود

صحبت اربابی برد حق شناس   صحبت او را بجان و حق شناس

صحبت مردان بود جان پروری   چون دران صحبت روی جان پروری

اور تمام محاسن اخلاق کو اسی نیک صحبت کا نتیجہ قرار دیا ہے،

مثنوی مولینا کاتبی نے جو مثنویان لکھی ہین، ان مین اگرچہ تکلف و تصنع سے بہت زیادہ کام لیا ہے، اور صنائع و بدائع کی بہت زیادہ پابندی کی ہے، تاہم شاعری کا سررشتہ کہین ہاتھ سے چھوٹنے نہین پایا ہے، اور جو واقعہ اور جو خیال ادا کیا ہے، اوس کو شاعرانہ انداز مین ادا کیا ہے، مثلاً آفتاب کے طلوع ہونے کی کیفیت اس طرح بیان کرتے ہین،

چون شہ خور مجمر زر برفروخت
عنبر شب ز آتش مجمر بسوخت

بیضۂ این بجرہ بگشادہ شد
آتش این بجرہ افتادہ شد

خسرو خور با کف کانی رسید
لشکر خاور صف صافی کشید

موج زد از ساحل دریاے چرخ
گوہر روشن دل یکتاے چرخ

مرکز شش سائرہ شد آشکار
نقطۂ دائرہ شد زرنگار

رستہ شد از بوتۂ نیرنگ سوز
تکمۂ پیراہن گلرنگ روز،

برقع شب دور شد از چہر صبح
ظلمت شب نور شد از قہر صبح

ایک شاہزادہ کے حسن وجمال کی تعریف ان اشعار مین کی ہے،

بادۂ پند دل و دین گوش کن
قصۂ شہزادۂ چین گوش کن

روزے از آرایش چین شاہزاد
شد بسوے دشت دل از جا شاد

ہمرہ او از شہ درویش و کے،
لشکرے آراستہ از بیش و پے

لالۂ پر ژالہ اش آتش فشان
ژالۂ آن لالہ اش آتش فشان،

نافۂ او عنبر تر بیختہ،
پستۂ او قند و شکر ریختہ

سنبلش افتادہ بر اطراف روے
سوسنش استادہ در اوصاف بوے

نرگس او مائل ایمان شدہ
غنچۂ او قاتل پنہان شدہ

سنبل گل دامن او شست آب
آہوے شیر افگن او مست خواب

گلشن باغ رخ او لالہ زار
لالۂ نورستہ او ژالہ بار

گفتن او مایۂ اصل حیات
رفتن او مایۂ اصل ممات

نرگس بہت از مل او شادتن
سنبل تر بر گل او بادزن،

در رہ صحرا رخ آن سربلند
آتشے افروختہ بہر سپند،

دشنۂ او از تف خون تاب داشت
تشنۂ او از کف خون آب داشت

نرگس او مائل خواب صباح
لالۂ او تشنۂ آب صلاح،

محتشم از پیکر او نقد جان
منعقد از گوہر او عقد کان،

ہم خط چون طوطئ او باز جوئے
ہم لب او بامئے رز راز گوئے

اسی طرح جو کچھ لکھا ہے، بالکل شاعرانہ اسلوب مین لکھا ہے، اور انداز بیان مین کہین ناہمواری نہین پیدا ہونے پائی ہے،

مولینا کاتبی کی شاعری کے متعلق اگرچہ اس سے بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا جاسکتا ہے، تاہم اس اختصار کے ساتھ بھی جو کچھ لکھا گیا ہے، اوس سے اندازہ ہوسکتا ہے، کہ وہ ایک خاص تاریخی دور کے بلند پایہ شاعر ہین، جس کی خصوصیات ابتک نمایان نہین ہوگئی تھیں، اسلئے جناب سید وزارت علی صاحب اہل ادب کی طرف سے مستحق شکریہ و مستحق مبارکباد ہین، کہ انھون نے مولینا کاتبی کے کلام کا ایک عمدہ مجموعۂ انتخاب مرتب کرکے اس گمنام دور کو روشن اور نمایان کردیا ہے، اور ہمارے نزدیک یہ ایک بہت بڑی ادبی اور علمی خدمت ہے،

علمائے نگرام

از

مولوی مطلوب الرحمٰن صاحب ندوی نگرامی

(۲)

حضرت مولانا عبدالعلی صاحب نگرامی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد علم و عمل تقویٰ و پرہیزگاری، اصلاحِ امت اور تعمیر قوم کی وراثت آپکے صاحبزادگان مولینا محمد یحییٰ صاحب رح اور مولنا حافظ محمد ادریس صاحب کو ملی اور ان دونوں بزرگوں نے دین و مذہب اور قوم و ملت کی خدمت کا حق پورے طور پر ادا کیا،

مولینا محمد یحییٰ صاحبؒ سن ولادت ۱۲۵۶؁ھ یا ۱۲۵۵؁ھ ہے، عہدِ طفلی میں تربیت و تعلیم والد بزرگوار حضرت مولنا عبدالعلی صاحب کے سایۂ عاطفت میں ہوئی، اور درسیات کا بڑا حصہ آپ ہی سے حاصل کیا، سن رشد کو پہنچکر مولینا محمد حسن سنبھلی صاحب سے درسیات کی تکمیل فرمائی، کتبِ درسیہ کے ساتھ سلوک و تصوف کا شغل بھی جاری تھا، حضرت مولنا محمد نعیم صاحب فرنگی محلیؒ وقت کے شیوخ میں تھے، مولنا نے اُن کی خدمت میں حاضری دی، اور سند فراغت کیساتھ ہی خرقۂ خلافت اور اجازت بیعت بھی حاصل فرمائی علوم میں فقہ سے آپ کو کافی شغف تھا، اور جزئیاتِ فقہ اس طریقہ پر مستحضر تھے، جس کی مثال کمتر نظر آتی ہے، مشکل سے مشکل مسائل آپ آسانی سے حل فرما دیا کرتے، کتبِ فتاویٰ میں اکثر آپکے ہاتھ کے لکھے ہوئے حواشی موجود ہین، علم ظاہر اور تزکیۂ باطن کے حصول کے بعد آپ نے وعظ و تذکیر

کا سلسلہ شروع فرمایا، آپ کا وعظ آپ اپنی مثال تھا، جس مجلس میں وعظ فرماتے، اس مین رقت کا عجیب عالم طاری ہو جاتا، سنگدل سے سنگدل اشک بداماں ہو جاتے، راہ چلتے مرد اور عورتین ٹھٹھک کر رہ جاتے، اور جب تک وعظ ختم نہ ہوتا، اُن کا اپنی جگہ سے ہلنا دشوار ہوتا، وعظ عموماً اصلاحی ہوتا، اور ہمیشہ انھی نقائص کی اصلاح پیشِ نظر ہوتی جن میں حاضرین مبتلا ہوتے، لیکن شیرین کلامی کا یہ حال تھا، کہ ایک ایک لفظ سامعین کے دل مین گھر کرتا جاتا، اور جب وعظ سُن کر اُٹھتے، تو ترکِ معصیت کے ارادہ کے ساتھ ہی مولانا کے ساتھ عقیدت و محبت کے جذبات لیکر گھر جاتے،

وعظ میں مسائلِ فقہیہ کی تعلیم، کھانے پینے کے اسلامی آداب نشست و برخاست، سلام و کلام طرزِ معاشرت، اور اصولِ معیشت کی پوری تفصیل، پھر مردانہ و زنانہ مسائل کی الگ الگ توضیح، آپ کے وعظ کی ایک نرالی شان تھی، عقیدتمند مردون اور عورتون کا یہ حال تھا، کہ کوسون کی منزلین طے کرکے موسمی دقتون کو خاطر میں لائے بغیر آپ کے وعظ میں شرکت کرتے، اور گوہر مقصود سے دامن بھر کر لیجاتے، آج کی تعلیمیافتہ عورتون کو بھی اپنے ان مسائل کی خبر نہیں، جو مولینا کے وعظ میں شریک ہونے والی جاہل اور ان پڑھ عورتین جانتی، اور نہ صرف جانتی بلکہ برتتی تھیں،

مسلمانون کو وعظ و پند کے ذریعہ اسلامی اخلاق اور قرآنی تعلیمات کا جو ذکر سناتے تھے، خود اُس پر سختی سے عامل تھے، آپ کی زندگی خود مستقل ایک وعظ تھی، فرائض و واجبات کا ذکر کیا، مستحبات کا ترک بھی گوارا نہ تھا، مہمانون کی آمد آپ کے لئے مسرت کا پیغام تھی، اور اپنے ہاتھ سے اُن کی خدمت و دلجوئی آپ کا انتہائی دلچسپ مشغلہ تھا، قحط کے زمانہ مین دن کو سہ پہر تک، اور رات کو نصف شب تک کھانا نہ کھاتے، کہ مبادا کوئی سائل یا مسافر آجائے، اکثر ایسا ہوتا کہ کوئی سائل پہونچ جاتا، اپنا کھانا اُسے کھلا دیتے اور خود بھوکے رہ جاتے، ملازم کی موجودگی کے باوجود دارنہ نشستگاہ مین اپنے ہاتھ سے جھاڑو دے لیتے، گاہ گاہ مسجد مین نمازیون کے وضو اور غسل کیلئے

خود پانی بھرتے، اور ان کاموں مین کسی قسم کا عار نہ محسوس فرماتے، زندگی بھر تبلیغ واصلاح میں
مصروف رہے، ہزارون گمراہ مسلمان آپکے دستِ حق پرست پر تائب ہو کر راہِ راست پر لگ
گئے، بیسیوں سلوک وتصوف مین آپ سے کسبِ فیض کرکے فائز المرام ہوئے، عزیمت آپ کا طرۂ
امتیاز تھا، کبھی کسی اہلِ دولت یا صاحبِ حکومت کا رعب آپ کے دل پر مسلط نہیں ہوا، قصبہ
کے بعض معاصر زمینداروں نے دولت وحکومت کے نشہ میں آپ کی حق گوئی کو اپنے اثرات
سے روکنا چاہا، لیکن آپ ایک آن بھی اُن کی شخصیت کو خاطر مین نہ لائے، اور حق وصداقت کی تبلیغ
میں کوتاہی نہ فرمائی، بالآخر آپ کے مخالفین آپ کی للّٰہیت وخلوص کے سامنے سرنگوں ہو کر رہے،
اوناؤ، رائے بریلی، پرتابگڈھ، سلطانپور، جونپور، بارہ بنکی کے اضلاع میں اکثر آمد ورفت کا سلسلہ
جاری رہتا، سواری کی موجودگی کے باوجود ہمیشہ پیادہ پا سفر فرماتے، اثنائے سفر میں مریدین کی جماعت
ہمرکاب رہتی، اُسے تعلیم وتلقین فرماتے رہتے،

اصلاحی مشاغل کی کثرت کے باعث کسی طویل تصنیف کا موقع نہیں ملا، لیکن بعض مفید رسائل
آپ کے قلم سے نکل کر مقبولِ عام ہوئے جن مین مصباح القاری، رسالہ فضیلت عمامہ، التشریح فی
ائمۃ التراویح، ضیاء الفقہ، التفصیل فی مسئلۃ السراویل، رسالہ سلوک خاص طور پر قابلِ ذکر ہین، مناظرہ
سے آپ کو کوئی خاص دلچسپی نہ تھی، لیکن فضیلتِ عمامہ کے مسئلہ میں مولنا محمد امین صاحب نصیرآبادیؒ
کی ردوکد نے ایک بار مناظرہ کا موقع پیدا کر دیا، مولینا محمد امین صاحب نصیرآبادیؒ فرماتے تھے، کہ
امام نماز مین اگر عمامہ باندھکر نماز پڑھے، تو کسی فضیلت کا مستوجب نہین ہے، مولنا مصر تھے، کہ
امام اگر عمامہ باندھ کر نماز پڑھائے تو وہ زیادہ فضیلت وثواب کا مستحق ہے، بحث کا آغاز ہوا،
ایک عرصہ تک دونوں طرف سے رسالے شائع ہوتے رہے، مولینا محمد امین صاحبؒ کی طرف سے
جو رسائل شائع ہوتے تھے عموماً انکا لب ولہجہ درشت اور تلخ ہوتا تھا، لیکن مولانا نے کبھی سنجیدگی کے

سررشتہ کو ہاتھ سے نہین جانے دیا، اور مسائل سے گذر کر کبھی ذاتیات سے نہیں اُلجھے،

وقت کے علماء ومشائخ سے آپ کا سلسلہ خط وکتابت جاری تھا، حضرت مولنا محمد نعیم صاحب
فرنگی محلیؒ آپ سے غایت درجہ محبت فرماتے، اور اکثر اپنے مکرمت ناموں سے مولیناؒ کو سرفراز
فرماتے رہتے تھے، جن میں زیادہ تر مسائلِ علمیہ یا نکاتِ تصوف کے متعلق کوئی نہ کوئی فہمایش ہوتی،
حضرت مولنا فرنگی محلیؒ کو آپ سے جو محبت تھی، اس کو خود اپنے قلم سے ایک خط مین یون ظاہر
فرماتے ہین،

"فقیر حقیر آپ کو خصوصیات قدیمہ وجدیدہ کی نظر سے مثل اپنے نور نظر کے جانتا ہی، اللہ
سے یہ دعا ہی، کہ طرفین سے کونین میں راضی رہے"۔

شاہ مہدی عطا صاحبؒ سجادہ نشین سلون ضلع رائے بریلی اور شاہ محمد اشرف حسن صاحب
سجادہ نشین کچھوچھہ ضلع فیض آباد، اختلافِ عقائد کے باوجود مولنا سے محبت رکھتے تھے، اور اکثر اپنے
خطوط میں مولناؒ کی اصلاحی خدمات کا اعتراف کیا کرتے تھے،

افسوس کہ مولنا نے عمر بہت تھوڑی پائی، ۴۰ سال کی عمر میں آپکو استسقاء کا مرض لاحق
ہوا، جس سے جانبر نہ ہو سکے، اور ۱۳۱۵ھ میں اس عالم فانی سے رحلت فرمائی،

مولنا حافظ قاری محمد ادریس صاحبؒ

سن ولادت ۱۲۷۵ھ ہے، ابتدائی تعلیم جناب خادم رسول صاحبؒ ودولوی مرحوم سے حاصل کی، لیکن حضرت مولنا علیہ الرحمۃ جو جوہر قابل رکھتے تھے، اس کا
تقاضا یہ تھا، کہ تعلیم وتربیت کسی جوہر شناس کے سپرد ہو، چنانچہ مولنا کے والد بزرگوار حضرت مولینا
عبدالعلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود ہی مولنا کی تعلیم وتربیت مین پوری توجہ سے کام لیا، درسیات
ابتدا سے لیکر انتہا تک خود تمام کرائین، ذہانت کا یہ عالم تھا، کہ مولینا کو صرف اشارات کی ضرورت
ہوتی، اور نہ مشکل سے مشکل اور مغلق سے مغلق مسائل اور عبارتوں کو وہ ادنی فکر وتدبر کے بعد خود ہی

حل فرمالیا کرتے تھے، و ستره سال کی عمر میں درسیات ختم ہو گئیں، تو مجدد العصر حضرت مولینا عبدالحی صاحب فرنگی محلی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان سے شرفِ تلمذ حاصل کرکے انہی سے سندِ فراغ حاصل فرمائی، حصولِ تعلیم کے ساتھ ساتھ ذکر و شغل کا سلسلہ بھی جاری تھا، ظاہر کی تکمیل کیساتھ باطن کی بھی تکمیل ہو گئی، اور مولنا ہمہ تن کتب بینی میں مشغول ہو گئے، گھر کے کتبخانہ مین خود کئی ہزار کتابین تھین، اور جو نہ ہوتین وہ مولنا عبدالحی صاحب فرنگی محلی کے کتبخانہ سے منگائی جاتیں، صبح سے شام تک کتب بینی فتوی نویسی اور تصنیف و تالیف کا کام رہتا، پورے تیس سال علم و فن کے شیدائی کو اسی طور پر گذر گئے، اس عرصہ مین بارہا معتقدین کے وفود آئے، اور منت و سماجت کی، کہ ایک روز کے لئے قدوم میمنت لزوم سے غربت کدوں کو سرفراز فرمایا جائے، لیکن ایک لمحہ کے لئے کتابوں سے جدائی گوارا نہ ہوئی، اور ہمیشہ انھیں مایوس و محروم واپس جانا پڑا، علوم مین سب سے زیادہ حدیث سے شغف تھا، متداول کتابون کے علاوہ نوادر کی تلاش و جستجو رہتی، اور جس طور پر دستیاب ہوتین، ان کا مطالعہ فرماتے، سینکڑوں کتابیں خود خرید فرمائیں، بعض نوادر کتب اپنے قلم سے نقل کیں، اور تقریباً ہر کتاب پر محققانہ اور مجتہدانہ حواشی تحریر فرمائے، علم حدیث پر بہت ہی وسیع نظر تھی، اور اس فن مین شانِ اجتہاد رکھتے تھے، حجۃ اللہ البالغہ، شفاء قاضی عیاض، دلائل الخیرات کی حدیثون کی تخریج جو قلمی آپ کے کتبخانہ میں موجود ہے، وہ آپ کی وسعتِ نظر کی واضح دلیل ہے، حدیثون مین جو کچھ پڑھتے، اُس کے جزجز پر عمل فرماتے، زندگی ہمیشہ متوکلانہ بسر فرمائی، تیس سال کے اس عرصہ میں جو صرف کتابون کی صحبت میں بسر ہوئے، اکثر ایسے اوقات گذرے کہ فاقہ کی نوبت آگئی، لیکن صبر و توکل کے اس مجسمہ کے چہرے سے کبھی اس کے آثار ظاہر نہیں ہوئے، عبادت و ریاضت کی کثرت کے باعث رات کو بھی دن کی طرح مشغول رہتے، طالبانِ سلوک دور دراز کی مسافتین طے کرکے آتے، بیعت ہوتے، اور چند روز کی صحبت مین دولتِ عرفان سے مالامال ہو جاتے، بڑے بڑے سرکش متبدع

ارکانِ اسلام کے منکر تھوڑی دیر کی صحبت مین رام ہو جاتے، توبہ کرتے، اور پکے مسلمان بن جاتے جن بھی آپ کے مرید تھے، اور اکثر و بیشتر نمازِ فجر مین جس کو آپ غلس میں پڑھا کرتے تھے، حاضر ہو کر آپ کی اقتدا کرتے، راقم الحروف کے والد محترم مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب مدظلہ جو مولینا مرحوم کے حقیقی بھتیجے ہین اپنا چشم دید واقعہ بیان فرماتے ہین، :

"ایک روز مولنا رح حسب معمول عصر کے بعد مسجد میں تشریف فرما تھے، معتقدین کا حلقہ تھا، پند و نصائح کا سلسلہ جاری تھا، کہ مسافر صورت ایک اجنبی مسجد مین داخل ہوا، سر پر عمامہ تھا، بدن پر کرتا، اور شرعی پائجامہ، پیروں پر گرد چڑھی ہوئی تھی، معلوم ہو رہا تھا کہ آنے والا پاپیادہ چل کر دور دراز کی مسافت طے کرکے آرہا ہے، آنے والے نے سلام کیا، اور مصافحہ کرکے دوزانو حضرت مولانا رح کے مواجہہ مین بیٹھ گیا، اور پھر بمنت عرض کیا، کہ حضور مجھے بیعت کرلین، پانچ روپئے جیب سے نکال کر مولنا کے سامنے رکھے، اور کہا کہ اس کی شیرینی منگا کر بچون مین تقسیم کر دیجائے، میرے ایک عزیز شیرینی خریدنے کے لئے چلے گئے، اجنبی کو حضرت نے بیعت کیا، اب آفتاب غروب ہونے میں چند منٹ باقی تھے، مسافر نے حضرت سے رخصتی کی اجازت چاہی، مولنا نے خندہ پیشانی سے رخصت کیا وہ ابھی مسجد کے دروازہ تک بھی نہ پہونچے تھے کہ میں نے عرض کیا، کہ حضرت اس وقت ان کا رخصت کر دینا آپکے اخلاق کے بالکل منافی ہے، مولانا نے تبسم فرما کر جواب دیا، ہان بیٹا مجھے خیال نہیں رہا، ذرا بڑھ کر واپس بلالو، اب وہ مسجد کے زینون سے نیچے اتر چکے تھے، مین جب تک وہان پہونچوں پہنچوں وہ نظروں سے غائب ہو چکے تھے، میں نے بہت تلاش کیا، ملازمون کو ادھر ادھر دوڑایا، لیکن کہیں پتہ نہ چلا، میرے حیرت و استعجاب کی حد نہ تھی، مین نے واپس آکر واقعہ عرض کیا، اور اس معمہ کو حل کرنے کے لئے بہت مُصر ہوا، تو مولنا نے فرمایا

یہ جن تھے، بیعت ہونے کے لئے آئے تھے،

فیض صحبت کی اثر اندازی برق کی رفتار سے زیادہ تیز تھی، ضلع سلطانپور کے ایک بہت بڑے رئیس و دولتمند اپنے گوناں گوں اخلاقی محاسن کے باوجود نماز سے بالکل بے تعلق بلکہ منکر تھے، ایک بار مولانا کی خدمت مین حاضر ہوئے، چند لمحون کی تلقین نے دل پر وہ اثر کیا کہ نماز کے عاشق بن گئے، اور اپنی محلسرا کے متصل ایک خوبصورت مسجد تعمیر کرائی، اس کی خدمت کے لئے آدمی مقرر کئے، اور کچھ زمین مسجد کے مصارف کے لئے وقف کی، فیض صحبت کا دائرہ صرف مسلمانون ہی تک محدود نہ تھا، رائے بریلی کے ایک ہندو رئیس تعلقدار مولانا سے عقیدت رکھتے تھے، اور آپ کے اخلاق و محبت کے بہت گرویدہ تھے، کبھی خود حاضر خدمت ہوتے، اور کبھی حضرت مولانا کو زحمت دیتے، اس آمد و رفت نے اُن کے دل میں اسلام کے لئے گنجایش پیدا کردی، اور وہ معہ اپنی بیوی کے مسلمان ہوگئے، اور مولانا سے بیعت بھی ہوئے، لیکن بعض مصالح کی بنا پر اس کا اعلان نہیں کیا، ابھی چند سال ہوئے کہ بنارس مین اُن کا انتقال ہوا، ان کے مرض الموت مین مولانا مرحوم کے چھوٹے صاحبزادے مولانا حافظ محمد انیس صاحب مدظلہ انہی کی طلب پر اُن کی عیادت کو بنارس گئے، تو آبدیدہ ہوکر کہنے لگے، دعا کرتے رہئو اور گواہ رہئے کہ مین اپنے عہد پر قائم ہون، سلوک و تصوف میں اپنے والد بزرگوار سے استفادۂ تام کے علاوہ مولانا سید عبدالسلام صاحب ہنسوی اور قطب وقت حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مرادآبادی سے بھی کسب فیض فرمایا، حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب ہم رنگی کی وجہ سے مولانا سے انتہائی محبت فرماتے تھے، چنانچہ نگرام سے جب کوئی گنج مرادآباد کی ملاقات کے لئے جاتا، اور اپنا وطن نگرام بتلاتا، تو حضرت مولانا گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ بڑی محبت کے انداز میں فرماتے، "وہی نگرام جہان ہمارے ادریس رہتے ہیں" مولانا ادریس صاحب نگرامی رح کا کوئی مرید اگر مولانا گنج مرادآبادی سے بھی بیعت ہونے کی خواہش کرتا، تو آپ برجستہ فرماتے، اب تم بیعت ہوکر کیا کروگے، کیا ہم اور ادریس

الگ الگ ہین،؟" سلوک و تصوف کے اساتذہ میں ایک نام نامی حضرت سید شاہ عبدالکریم صاحب غزنوی کا بھی ہے یہ ایک افغانی بزرگ تھے، جو اپنے اندر غضب کی کشش اور جاذبیت رکھتے تھے، اشعار دُہیرے چل کر کسی بزرگ کی ہدایت کے بموجب حضرت مولانا حافظ عبدالعلی صاحب کی ملاقات کے لئے نگرام تشریف لائے، لیکن آپ نگرام اس وقت پہونچے، جب حضرت مولانا عبدالعلی صاحب کی وفات کو تین دن گذر چکے تھے، اپنی محرومی قسمت پر زار زار روتے، اور ماہی بے آب کی طرح تڑپتے تھے، چند روز نگرام مین مقیم رہے، اکثر اوقات حضرت مولانا کے صاحبزادگان مولانا محمد یحیی صاحب اور مولانا محمد ادریس صاحب کو ساتھ لیکر مولانا کے مزار پر جاتے، مراقب ہوتے، اور وہین دونون صاحبزادگان کو سلوک کی تعلیم دیتے، چند روز کے قیام میں آپ کی طرف رجوعات کا یہ عالم ہوا کہ جاے قیام پر ہر وقت ہندو مسلمان مردون عورتوں کا ہجوم رہنے لگا، چنانچہ اس رجوع عام سے گھبرا کر ایک روز نگرام سے روانہ ہوگئے، حضرت مولانا حافظ محمد ادریس صاحب نے شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے بھی خط و کتابت کے ذریعہ اجازت اوراد و وظائف و بیعت و ارشاد حاصل فرمائی تھی، کبھی کبھی وعظ بھی کہتے، جس میں اصلاح عام کے ساتھ عالمانہ رنگ غالب رہتا، لیکن طرز بیان ایسا دلچسپ تھا، کہ عوام و خواص یکسان طور پر مستفید ہوتے، تیس سال کتابون کی صحبت مین گذارنے کے بعد چند مرتبہ حلقۂ مریدین میں تشریف لے گئے، لیکن پھر آپ کو مجبوراً یہ سلسلہ بند کردینا پڑا، اس لئے کہ شوق زیارت و استفادہ مین مسلمانون کا میلہ لگ جاتا، اور ایک ایک وقت مین آپ کے ساتھ دسترخوان پر چار چار سو، پانچ پانچ سو عقیدتمندون کا مجمع ہوجاتا، جس کو آپ کے میزبان خیر و برکت کا ذریعہ سمجھتے، لیکن خود آپ کی غیور طبیعت اپنے میزبان کے لئے اس کو تکلیف و زحمت کا باعث جانتی، چنانچہ آپ نے اسی مصلحت کی بنا پر حلقۂ مریدین مین دورہ کا سلسلہ روک دیا، اب معتقدین نگرام آتے، اور ایک ایک وقت میں بیسیون کی تعداد مین مہمان ہوتے

مہمان نوازی سے آپ کو عشق تھا، اور ان کی ہر خدمت اپنے لئے فرض سمجھتے، مہمان کے کھانا کھاتے وقت خود مگس رانی فرماتے، اور اگر کوئی دوسرا اس خدمت کے لئے اصرار کرتا، تو فرماتے میرا مہمان ہے خدمت کا حق مجھے ہے،

علمائے وقت سے آپ کا سلسلۂ ملاقات و مکاتیب برابر جاری تھا، مولٰنا محمد علی صاحب مونگیری، علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ، مولٰنا عبد الحیٔ صاحب فرنگی محلی، شمس العلماء نواب علی حسن خان صاحب سے برابر خط و کتابت رہتی، قوم کی اصلاحی تحریکوں سے آپ کو خاص شغف تھا، چنانچہ ایک عرصہ تک آپ ندوۃ العلماء کی مجلس منتظمہ کے رکن رہے، اور اس کے جلسوں میں پوری دلچسپی کے ساتھ شرکت فرماتے رہے، ندوۃ العلماء کا دارالعلوم جب قائم ہوا، تو آپ نے مولٰنا محمد علی صاحب مونگیری کی خواہش پر اپنے بڑے صاحبزادے مولٰنا محمد نفیس صاحب مدظلہ کو دارالعلوم میں بلا کر داخل فرمایا، مسلمانوں کی پسماندہ جماعتوں کو ابھارنے اور بلند کرنے میں آپکو پورا انہماک تھا، شرافت و رذالت کی بناء پر مسلمانوں کی غلط تقسیم کو آپ مسلمانوں کی بدبختی کا آثار میں شمار کرتے، چنانچہ اپنے ایک شاگرد منشی نادر حسین صاحب عزیز نگرامی مرحوم سے دو کتابیں آئینۂ شرافت اور معیار شرافت کے نام سے تصنیف کرائیں، پیشہ ور مسلمان جماعتوں کے لئے فضائل الکسب کے نام سے خود ایک مدلل رسالہ سپرد قلم فرمایا، اس رسالہ میں مسلمان پیشہ ور جماعتوں کو سراہا گیا ہے، اور قرآن و حدیث کی روشنی میں انکی اسلامی شان و اہمیت کو واضح کیا گیا ہے، تعلیم کی عام اشاعت سے بھی آپ کو غایت دلچسپی تھی، چنانچہ اپنے نگرام میں معدن العلوم کے نام سے ایک مدرسہ عربیہ جاری فرمایا، جو آج بھی آپ کے صاحبزادہ مولٰنا حافظ محمد انیس صاحب مدظلہ کے اہتمام میں اپنے فیوض و برکات کیساتھ جاری ہے، اپنی سرپرستی میں رائے بریلی سے ایک ماہانہ اصلاحی رسالہ الہادی جاری فرمایا تھا، جو عرصہ تک چودھری نذیر احمد صاحب مرحوم کی ادارت میں شائع ہوتا رہا، نگرام میں ایک پریس بھی مطبع نفیسی کے نام

سے کھولا تھا، جس میں آپ کی بعض تصانیف اور دوسرے اہل خاندان کی تصانیف طبع ہوئیں آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں،

(۱) التحقیق المؤطا فی تحقیق الصلوٰۃ الوسطیٰ (۲) تحفۃ النبلاء (۳) القول المتین فی التامین (۴) مواہب القدوس فی احکام الجلوس (۵) التعلیق النقی علی رسالۃ الشیخ علی متقی (۶) تحفۃ الحبیب فی تحقیق الصلوٰۃ والکلام بین یدی الخطیب (۷) العون لمن نفی ایمان فرعون (۸) التحقیق المبین فی تجدد المائتین (۹) الکلام المسدد فی رواۃ امام محمد (۱۰) الکلام النفیس فی ترجمۃ محمد ادریس (۱۱) تحقیق المرام بترتیب مسند الامام (۱۲) الاربعین من مرویات نعمان سید المجتہدین (۱۳) طریق الفلاح الی الاضطجاع بعد رکعتی الصباح (۱۴) الہام اللہ المتعال فی کراہیۃ سور الاجنبیۃ للرجال (۱۵) الاصول الثابتۃ للفروع النابتۃ (۱۶) حصول المقاصد بترجمۃ الموارد (۱۷) تسریح المعاقد بتشریح الموارد (۱۸) نفحۃ الشمائم لاہل العمائم (۱۹) تعلیق التمائم علی نفحۃ الشمائم (۲۰) البرہان علی حکم تقبیل الابہامین عند الاذان (۲۱) الدرۃ الزکیۃ فی تائید مذہب الحنفیۃ (۲۲) المفاتحۃ فی المصافحۃ (۲۳) المہتدی للمقتدی (۲۴) ابراز الکتمان عن تکمیل الایمان (۲۵) علل لاہل الجہل (۲۶) امحاء السیئات باقامۃ الصلوٰۃ (۲۷) مجموعہ خطب (۲۸) دفع الاحتمال عن رویۃ النبی بعد الارتحال (۲۹) تطییب الاخوان بذکر علماء الزمان،

آخر الذکر کتاب حضرت مولٰنا رحمہ نے مجلس ندوۃ العلماء کی تحریک پر سپرد قلم فرمائی تھی، استفتا کرنے والے دور دراز شہروں مثلاً رنگون، مدراس، کوئٹہ، حیدرآباد سے آپ کے پاس استفتاء

بھیجے، اور آپ پہلی فرصت مین اس کا جواب عنایت فرماتے"۔

۱۰ رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ مین آپ نے اس عالم فانی سے رحلت فرمائی، آپ کے انتقال پر ایک عرصہ تک آہ وبکا کی غیبی آوازین آپ کے مزار کے ارد گرد آتی رہین، اہلِ نظر کا خیال ہے کہ یہ اُن جنون کی آوازین تھیں، جو آپ سے بیعت تھے،

مولنا عبدالحکیم صاحبؒ آپ حضرت مولینا عبدالعلی صاحبؒ کے داماد تھے، کتب درسیہ اپنے خسر سے تمام کین اور اجازت وبیعت بھی انہی سے حاصل فرمائی، نحو وصرف، اور فرائض مین خاص طور سے دستگاہ حاصل تھی، زندگی بالکل بے داغ بسر فرمائی، بڑے متورع اور متقی بزرگ تھے، کبھی کسی سے ترشرو نہیں ہوئے، اگر کسی بات پر کبھی غصہ آتا، تو زبان میں اور زیادہ نرمی اور شائستگی پیدا ہو جاتی، چلتے تو ہمیشہ نگاہ نیچی رکھتے، گفتگو فرماتے تو ہلکا تبسم لبون پر کھیلتا رہتا، نماز کی مین عدیم النظیر قابلیت تھی، اگر ولایت کا صحیح معیار اتباعِ سنت ہے، تو مرحوم صحیح معنون میں ولی اللہ تھے، نماز ہمیشہ باجماعت ادا فرماتے، لیکن امامت سے ہمیشہ گریز فرماتے، آپ نے ۲۵ر شعبان ۱۳۲۶ھ میں انتقال فرمایا، آپ کی اہلیہ صغرای خاتون بڑی صالحہ اور ذی علم خاتون تھین، مولنا عبدالعلی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی تھین، انہی سے متوسطات تک تعلیم حاصل کی تھی، قرآن کریم کا ترجمہ اور ترکیب بے تکلف فرمالیتین، قصبہ کی زنانہ مجالس مین اکثر وعظ وتذکیر کا سلسلہ رہتا، روزمرہ کے مسائلِ فقہیہ میں خاصا عبور تھا، اکثر عورتین اپنے مسائل آپ سے دریافت کرتین، اور آپ شافی جواب دیتین، علمِ ظاہر کیساتھ علم باطن مین بھی اپنے والد بزرگوار سے کسبِ فیض فرمایا، اکثر ذکر فرماتین، روزانہ دس پارہ قرآن کریم کی تلاوت کرتین، رمضان المبارک میں پانچ پارہ کا اور اضافہ ہو جاتا، ہر دوسرے دن قرآن ختم ہو جاتا، تہجد بلاناغہ پڑھتین، اکثر دلائل الخیرات، حصن حصین کا ورد فرمایا کرتین، ان مشاغل کے ساتھ امور خانہ داری کی تکمیل بچون کی پرورش وپرداخت میں کوئی

فرق نہ آتا تھا، ۱۳۳۶ھ مین انتقال فرمایا،

مولنا محمد سلیم صاحبؒ مولینا عبدالحکیم صاحبؒ کے صاحبزادے تھے، صرف ونحو اپنے والد ماجد ہی سے پڑھی تھی، اور بعض کتابین مولنا محمد ادریس صاحبؒ سے بھی، سنِ رشد کو پہونچکر جامع العلوم کانپور مین داخل ہوئے، اس وقت مولنا اشرف علی صاحب تھانوی وہان مدرس تھے، اُن سے اخذِ فیض کا موقع ملا، پھر لکھنو تشریف لاکر شمس العلماء مولنا عبدالمجید صاحب اور حضرت مولنا عین القضاۃ صاحب سے شرفِ تلمذ حاصل فرمایا، اور ان دونون بزرگون سے سندِ فراغ بھی حاصل فرمائی، ان کے علاوہ مولنا محمد ادریس صاحبؒ، مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندی، مولینا حبیب الرحمن صاحب دیوبندی و مولنا انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ سے بھی سند حاصل کی، نیز مولنا محمد ادریس صاحب سے بیعت ہو کر اجازتِ بیعت بھی لی، آپ کو مثل اپنے والد کے فرائض مین ید طولیٰ حاصل تھا، پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل بیک نظر حل فرماتے، طریقۂ درس بھی نہایت عالمانہ تھا، راقم الحروف کو بھی سراجی اور ہدایہ کے بعض ابواب آپ سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، وعظ نہایت خوب کہتے، الہ آباد، بارہ بنکی، پرتاپگڈھ کے اضلاع میں آپ کے اصلاحی مواعظ سے خلق کو بڑا نفع پہونچا، اور اکثر مسلمان ان اطراف مین آپ سے بیعت ہوئے، ہمیشہ نام ونمود سے متنفر رہے، آپ کی سادہ زندگی کو دیکھکر مشکل سے آپ کو صاحبِ علم کہا جا سکتا تھا، اپنا اور عزیزون کا سودا سلف لینے بازار چلے جایا کرتے، امانت میں مشہور تھے، درس وتدریس اور افتاء و وعظ آپ کی زندگی کے دلچسپ مشغلے تھے، نفع المفتی والسائل کا اردو ترجمہ آپ نے سلیس زبان میں فرمایا ہے، ناظم صاحب انجمن تبلیغ الاسلام نگرام کے ذریعہ سے افغانستان مین آریہ سماج کی شورہ پشتیون کو روکنے کے لئے خواجہ حسن نظامی نے حق پرکاش کا فارسی ترجمہ آپ سے کرایا تھا، اپریل ۱۹۲۹ء میں آپ کا انتقال ہوا،

بستر علالت پر ظہر کی نماز ادا فرمائی، جونہی سلام پھیرا، روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی،

آپ کے بڑے صاجزادہ حکیم محمد نعیم صاحب مرحوم نے بھی دار العلوم ندوۃ العلماء مین درجۂ عالمیت تک پڑھا، اس کے بعد طب حاصل فرمائی اور بہرائچ مین ایک کامیاب زندگی بسر کی، مین عالم جوانی میں ۱۳۳۸ھ میں انتقال فرمایا،

مولانا حافظ خلیل الرحمن صاحب

مولانا محمد یحیی صاحب کے صاجزادے اور مولانا عبد الرحمن صاحب ندوی نگرامی مرحوم کے والد تھے، ابتدائی کتابین اپنے والدؒ سے پڑھین، پھر کانپور جاکر جامع العلوم میں مولانا عبد الرشید صاحب اور مولانا اسحق صاحب سے درسیات ختم کین، مولانا عبد المجید صاحب فرنگی محلی مولانا عبد الحمید صاحب فرنگی محلی، مولانا فضل اللہ صاحب منطقی سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا، سند فراغ اور اجازت بعیت حضرت مولانا محمد نعیم صاحبؒ سے حاصل فرمائی بعیت اپنے والد ماجد مولانا محمد یحیی صاحب تھے لیکن خرقۂ خلافت اپنے چچا مولانا حافظ محمد ادریس صاحبؒ سے حاصل فرمایا تھا، قرآن اچھا یاد تھا، فن تجوید سے بخوبی واقف تھے، تراویح میں قرآن سناتے تو مقتدیوں پر محویت کا عالم طاری ہوجاتا، وعظ بھی بہت ہی مفید دلچسپ اور اثر انداز ہوتا، ایک عرصہ تک مدرسہ معدن العلوم نگرام میں مدرس رہے، جسم مین طاقت خدا داد تھی، جو کام آٹھ آٹھ آدمی نہ کرسکتے، اسے آپ اکیلے انجام دیدیتے، انکسار و تواضع مزاج کا خمیر تھے، آپ کے والد صاحب کے انتقال کے بعد مریدین و معتقدین آپ کی طرف رجوع کرتے، اور اصلاح نفس کی دولت پاکر شاد کام ہوتے، آپ نے کل ۴۲ سال کی عمر پائی، اس چھوٹی سی عمر میں اصلاح و ارشاد تبلیغ و اشاعت کے علاوہ تصانیف بھی فرمائین اصطلاح العلوم لسان العرب (کتاب لغت غیر مطبوعہ) اور ضربت حسینی خاص طور پر قابل ذکر ہین، لسان العرب مین آپنے صرف ان الفاظ کو جمع کیا ہے، جو جامد ہین، ضربت حسینی رد شیعہ مین ایک مبسوط تالیف ہے، یہ بھی قلمی ہے، اور راقم الحروف کے کتب خانہ مین موجود ہے، فرقۂ شیعہ کے تمام مشہور مسائل سے اس کتاب مین بحث کی گئی ہے، انداز تحریر عالمانہ ہے، اور کتاب کے مطالعہ

سے معلوم ہوتا ہے، کہ مؤلف کی نگاہ کتب شیعہ پر پورے طور سے تھی، کتب متون کے علاوہ شروح حواشی وغیرہ کے حوالجات موجود ہین، آپ کے انتقال کا واقعہ بھی عجیب تر اور مقبولیت بارگاہ ایزدی کی دلیل ہے، انتقال سے چند منٹ پہلے آپ نے ہوش و حواس کے عالم مین تمام تیمار داروں اور عزیزون کو مخاطب فرماکر ارشاد فرمایا، دیکھو حضرت موسی علیہ السلام حضرت عیسی علیہ السلام، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء اربعہ، حضرت والد صاحبؒ، دادا صاحبؒ میرے لینے کیلئے آئے ہیں، اور ساتھ ہی قرآن شریف کی تلاوت بھی شروع فرمادی سورۂ فاتحہ سورۂ ملک وغیرہ پڑھکر سورۂ یسین پڑھنے لگے، جیسے ہی وَاِلَيْهِ يُرْجَعُوْن پر پہونچے، سربسجود ہوگئے، اور معشوق حقیقی سے جاملے، تاریخ وفات ۲۵ محرم الحرام ۱۳۱۹ھ ہے،

حاجی محمد احسن صاحب وحشی نگرامیؒ

اردو ادب و انشار سے دلچسپی رکھنے والے حلقہ مین وحشی نگرامی مرحوم کا نام نامی غیر معروف نہیں، آپ کے قلم سے نکلے ہوئے متعدد اصلاحی ناول اور افسانے (جو زیادہ تر بے پردگی کی مخالفت اور عقد بیوگان کی حمایت مین ہیں) ملک میں آج بھی دقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہین، لیکن یہ کم لوگون کو معلوم ہوگا، کہ حضرت وحشی نگرامیؒ صرف ناول نگار اور انشار پرداز ہی نہ تھے، بلکہ ایک جید حافظ قرآن کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے والے، ذاکر و شاغل، بحر سلوک و تصوف کے شناور بزرگون کی خدمت اور علمار کی صحبت کے گرویدہ و دلدادہ بھی تھے،

سن رشد کو پہونچکر حفظ قرآن کا خیال پیدا ہوا، چار ماہ میں پورا قرآن یاد کرلیا، اور پھر زندگی بھر تراویح میں قرآن سناتے رہے، بیعت اپنے ماموں حضرت مولانا حافظ محمد ادریس صاحب سے تھے، اور مولانا علیہ الرحمہ کے عاشق زار ایک ایک ادا پر قربان، لیکن مولانا ہی کی ہدایت کے مطابق حضرت شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ صاحبؒ سے مکہ مکرمہ میں اور قطب العالم مولانا

شاہ فضل الرحمن صاحب گنج مرادآبادی سے بھی شرف بیعت حاصل فرمایا، اور اوراد و وظائف کی اجازت سے سرفراز ہوئے،

حضرت وحشی کے سفر حجاز کا واقعہ بھی عجیب و غریب ہے، ۱۳۱۳ھ میں ایک دن خواب دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، تعال یا وحشی؟ اب کیا تھا، بے چین ہو گئے، جس طرح ہو سکا، سفر حج کے لئے تیار ہو گئے، راستہ میں ایک مثنوی تیار کی، جس کا پہلا شعر یہ ہے

اے گوہر قلزم معانی   وے کاشف سر من رآنی

خود فرماتے تھے، کہ نیت یہ تھی، کہ روضہ مبارک پر پڑھوں گا، اور خوب دل کی بھڑاس نکالوں گا لیکن وہاں پہنچکر عجیب حال ہوا چند شعر بڑی ہمت سے دبی زبان سے عرض کئے تھے، کہ

شکایت اک طرف یہ اُن کی محفل میں ہوئی حالت
کہ جیسے چھین لی اللہ نے مجھ سے زبان میری

سفر حج میں حاجی مرتضیٰ خان صاحب (حاجی اصطفا خان صاحب مالک کارخانہ عطر اصغر علی محمد علی لکھنؤ) کا ساتھ تھا، خانصاحب مرحوم کے بڑے صاحبزادے مصطفیٰ خانصاحب مرحوم سے محبانہ تعلقات تھے، چنانچہ پورے سفر کے مختصر حالات خطوط میں انھیں لکھے تھے، یہ مجموعہ خطوط بشیر کے نام سے شائع بھی ہو چکا ہے،

ان خطوط میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونے کا حال ان الفاظ میں لکھتے ہیں،

"جب میں نگرام سے چلا تھا تو حضرت پیر و مرشد مولانا حافظ محمد ادریس صاحب عم فیضہ نے وقت رخصت بمقتضائے وفور الفت بہت مغموم ہو کر استودع اللہ الخ پڑھ کر ارشاد فرمایا تھا، کہ مکہ معظمہ میں حضرت حاجی صاحب سے تجدید بیعت کرتے آنا، اس پر مجھے کچھ

تامل ہوا تو ارشاد ہوا، کہ مجھے امر کی تعمیل کرنا چاہئے، میں نے حضرت حاجی صاحب سے کیفیت عرض کی، حضرت نے فرمایا، کہ میاں اگلے زمانے میں بزرگ لوگ اپنے مریدوں کو ایسا حکم دیتے تھے، اور اب شیوخ کا قاعدہ ہے کہ جہاں انھوں نے اپنے مرید کو دوسری جگہ آتے جاتے دیکھا، اسکے دشمن ہو جاتے ہیں، تمھارے شیخ بڑے بزرگ ہیں جنھوں نے ایسا حکم دیا، میں صرف ان کے کہنے کی وجہ سے تجکو داخل سلسلہ کر سکتا ہوں، بشرطیکہ تو سوء ظن نسبت شیخ کے نہ کرے، اور یہ سمجھے کہ جمیع تمام برکات مجھکو شیخ ہی کی وجہ سے حاصل ہوتے ہیں، اور ہوں گے، بجواب اس کے وہی گذارش کیا گیا، کہ مجھکو تو تعمیل حکم کرنا ہے، اور میرے واسطے ہر دو آستانے بصورت واحد ہیں، اور حضرت مولانا پر تو اپنا تکیہ ہی ہے، الحاصل جناب مولانا کی بہت توضیح فرما کر مجھے بھی داخل سلسلہ فرمایا"

جناب وحشی نے سبقاً سبقاً عربی نہیں پڑھی تھی لیکن علماء کی صحبت میں رہ کر انکو اس قدر عربی آگئی، کہ سمجھنا تو ایک معمولی بات تھی، بے تکلف لکھ لیتے تھے، علوم دینیہ میں پوری مہارت پیدا ہو گئی تھی، قرآن، حدیث، فقہ، تصوف، تاریخ، علم کلام، الغرض جس موضوع پر بھی گفتگو کرتے تھے عالمانہ انداز سے کرتے تھے، ان کے کلامی مضامین مثلاً فلسفہ صوم، حکمت قربانی، ولادت مسیح، حیات مسیح، وفات مسیح نے علماء سے خراج تحسین وصول کیا،

ندوۃ العلماء کے جلسوں میں مولانا شبلی مرحوم انکو بہ اصرار علماء کے حلقہ میں بٹھاتے تھے، اور اسی شان سے دعوت بھی دیا کرتے تھے،

صاف گوئی کا یہ عالم تھا، کہ دین کے معاملہ میں کبھی دبتے نہ تھے، جنگ عظیم کے زمانہ میں ڈپٹی کمشنر سے صاف کہدیا، کہ ہم آپ کے محکوم ضرور ہیں، مگر ترک ہمارے بھائی ہیں، اون کی بہی خواہی ہم نہیں چھوڑ سکتے،!

سرکاری ملازم تھے، ایک دن دفتر کے وقت ظہر کی نماز کے لئے گئے تھے، کہ حاکم (جو ایک بدمزاج

انگریز تھا) آگیا، اُس نے بڑے غیظ و غضب سے پوچھا کہ کہاں گئے تھے، انھون نے کہا، نماز پڑھنے! انگریز نے کہا کہ نماز کے نوکر ہو کہ ہمارے؟ انھون نے کڑک کر جواب دیا، کہ نماز کے نوکر ہین، حاکم کا سارا غصہ جاتا رہا، اور کہنے لگا، کہ نماز سے کون روک سکتا ہے؟

پوری زندگی تقوی وطہارت مین بسر ہوئی، ۱۹۲۵ء مین پرتاب گڈھ (اودھ) مین انتقال ہوا، جہاں ان کے بڑے صاحبزادے مولوی نجم احسن صاحب وکالت کرتے ہین، اور وہاں کے دیندار رئیس حاجی محمد اصغر صاحب مرحوم کے باغ مین دفن ہوئے۔

مولانا عبدالرحمن ندوی اس سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی مولانا عبدالرحمن صاحب ندوی کی ذات والا صفات تھی، یہ مولانا حافظ خلیل الرحمن صاحب کے صاحبزادے تھے، ۱۸۹۹ء کی پیدایش ہے، دار العلوم ندوۃ العلماء سے فراغت کی، ختم تعلیم کے بعد ملک کی تعلیمی اور سیاسی تحریکون مین امتیازی حصہ لیا، ۶ مارچ ۱۹۲۶ء کو ستائیس سال کی عمر مین انتقال فرمایا، سارے ہندوستان نے اس فاضل نوجوان کا جس طرح ماتم کیا ہے، وہ اہل خبر سے پوشیدہ نہیں، حضرت الاستاذ علامہ سید سلیمان صاحب ندوی مارچ ۱۹۲۶ء کے معارف مین "ہماری جماعت کا لعل شب چراغ گم ہو گیا" کے عنوان سے مستقل طور پر ان کے متعلق لکھ چکے ہین، اس لئے ہم زیادہ نہین لکھنا چاہتے!

ان اہل علم بزرگون کے سوا نگرام کے چند علماء کے نام اور بھی معلوم ہین، مثلاً مولانا احمد اللہ صاحب، مولانا نادر حسین صاحب، مولانا ناصر محدث، قاضی محمد آصف صاحب، مولانا حفیظ اللہ صاحب لیکن افسوس کہ ان کی زندگی کی تفصیلات سے ہم بالکل ناواقف ہین!

نگرام مین مفتیون کا بھی ایک خاندان ہے، اس خاندان کے بزرگ کسی زمانہ مین مسلمان بادشاہون کی طرف سے منصب افتاء پر ممتاز تھے، لیکن آج ان کے حالات پر پردہ پڑا ہوا ہے!

سیرت کی ساتویں جلد کا موضوع

از

جناب منیر الدین بن ریاض الدین غوثی (احمد آباد گجرات)

جناب علامہ سلیمان ندوی صاحب!

السلام علیکم

محترم ابوظفر ندوی صاحب مجھے معارف پڑھنے کے لئے دیا کرتے ہین، اس کے گذشتہ دو شمارون سے مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کے قلم سے آپ کی تالیف سیرت کے چھٹے حصہ پر تبصرہ نکل رہا ہے، یہ ایک عالم کا عالمانہ تبصرہ ہے، اس کے مطالعہ کے بعد میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر کوئی عامی سیرت کے متعلق اپنے کچھ منتشر خیالات پیش کرے، تو شاید غیر مناسب نہ ہوگا، یہ خیالات اگر قابل لحاظ نہ بھی ہوئے، تو بھی آپ کی رواداری سے امید ہے کہ بار خاطر نہ ہون گے، اس امید پر جسارت بجا کر کے چند ٹوٹے پھوٹے خیالات آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہون، یہ خیالات آیندہ ساتویں جلد سے متعلق ہین، جس کے مباحث آپنے بتادیئے ہین،

(۱)

ساتوین حصہ کا تعلق معاملات یعنی عملی زندگی کے باہمی کاروبار سے ہے، انسان کی پیدایش سے لیکر مرتے دم تک کے تمام کام بواسطہ یا بلا واسطہ اس مین آجاتے ہین، عقائد اگر سوسائٹی کی بنیاد اور روح ہین، تو یہ جسم، عقائد اگر الہام ربانی کے مجردات ہین، تو یہ مادیات آج کل کی مغربی طرز زندگی

مین بھی تو اسکی اہمیت بہت ہے، انسان کی اچھائی اور برائی کا معیار یہی سمجھے جاتے ہیں، پہلے اسکا معیار دین تھا، اور اب دنیا ہے، اب جس مذہب کی دنیوی تعلیم اچھی ہے وہ مذہب اچھا سمجھا جاتا ہے، آج کل کسی قوم کی تہذیب سے مراد بڑی حد تک یہی چیزین ہوتی ہین، موجودہ زمانہ میں ہماری اور مغربی تہذیب کی ٹکر بہت کچھ معاملات ہی مین ہے، چنانچہ آج مغرب کا دعوی ہے کہ اس کے سیاسی، اجتماعی، اقتصادی تمدنی، تجارتی، اور بین الاقوامی قوانین، اسلامی تعلیم سے بڑھکر ہیں، اس لئے اگر مسلمانوں کو بھی زندگی کی جنگ میں کامیاب ہونا ہے، تو ان کو اپنا پرانا طریقہ چھوڑ کر ہمارے راستہ پر چلنا چاہئے، ان کے اس دعوی پر اسلامی دنیا اگر زبان سے نہ سہی تو کم از کم عمل سے یقین کر رہی ہے، عبادات عقائد وغیرہ کو چھوڑ کر ترکی میں تجارت، سیاست، اقتصادیات وغیرہ دنیوی امور مین مغرب کی تقلید ہو رہی ہے، اور اسی کو دنیوی نجات کا راستہ سمجھا جا رہا ہے، دوسرے اسلامی ملک بھی اسی روش پر جا رہے ہین، کیا آسمان کے نیچے آج کوئی ملک، کوئی جماعت یا کم از کم کوئی فرد ایسا ہے، جو اسلامی تعلیمات سے تجارت اور سیاست وغیرہ کے ایسے عملی طریقے بتا سکے، جس پر عمل سے ہم یورپ کی برابری کر سکین، ترکون نے صنعت و حرفت اور تجارت میں ترقی کے لئے یورپ کے سرمایہ دارانہ نظام کے مطابق کارخانے بنائے، بنک قائم کئے، سود کا لین دین جاری کیا، بیمہ کمپنیان قائم کین، اور ان سب مین اسلامی تعلیم کا رد کیا، غرض زندگی کے تمام شعبون مین اسلام کا رد ہو رہا ہے، اگر اسکو روکنے والی کوئی چیز پیدا نہ ہوئی، تو یہ خطرہ پورے طور سے پھیل کر رہے گا، حالت کی نزاکت یہانتک پہونچ چکی ہے، کہ بعض علما تک اسلامی اور مغربی تہذیب مین سمجھوتہ کرانے کی فکر مین ہین، عباسی خلافت کے زمانہ مین عقل و نقل کے درمیان مفاہمت کی جو کوشش کی گئی، وہ ممکن ہے، کسی حد تک ضروری رہی ہو لیکن اسلام اور مغرب کی تعلیم کے درمیان تو اتنا بعد ہے کہ دونون مین صلح کرانا اسلامی تعلیم کو رد کرنے کے ہم معنی ہوگا،

اس مسئلہ کا ایک روشن پہلو بھی ہے کہ آج بھی مسلمان عملی طور سے نہ سہی تو کم از کم اعتقادی حیثیت سے مغربی تعلیم کے مقابلہ مین اسلام ہی کی تعلیم کی برتری پر یقین رکھتے ہین، ہمارے مرحوم ڈاکٹر اقبال دانش حاضر کی آگ مین خلیل اللہ کی طرح جلنے کے باوجود بھی صحیح و سالم رہے، اور مغربی تہذیب کے مقابلہ مین اسلامی تعلیم کی برتری کا پیام سناتے رہے، جو پیام اقبال نے شعر مین دیا وہی پیام کچھ لوگ نثر مین بھی دے رہے ہین، حال مین ندوۃ المصنفین دہلی سے "اسلامی نظام اقتصادیات" پر جو کتاب شائع ہوئی ہے وہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے،

لیکن سوال یہ ہے، کہ یہ ذہنی اور کتابی بحث و مجادلہ تہذیب حاضر کے حملہ کو روک سکتا ہے، تہذیب حاضر کی فوج یلغار کرتی ہوئی بڑھ رہی ہے، اس کا مقابلہ کرنے کے لئے ضرورت ہے، کہ دنیائے اسلام کے روشن خیال علما، اور صنعت و حرفت، تجارت، اقتصادیات وغیرہ جملہ فنون کے ماہرین کسی مرکزی مقام پر جمع ہو کر اسلامی تعلیم کی روشنی مین ان چیزون کا ایسا حل تلاش کرین جس کی بنیاد اگر ایک طرف اسلامی تعلیمات پر ہو تو دوسری طرف ہم اس کے ذریعہ مادی زندگی مین یورپ کا مقابلہ کر سکین، اس اجتماعی کوشش سے پہلے ہر ہر ملک میں انفرادی کوششین بھی ہو سکتی ہین، اس وقت مجتہد علماء کی بڑی ضرورت ہے، امید ہے کہ سیرت کی ساتوین جلد مین آپ ان مسائل کا حل پیش نظر رکھین گے،

(۲)

ہمارا عقیدہ ہے کہ عقائد، عادات، اخلاق، معاملات وغیرہ دنیا و آخرت کے تمام امور مین اسلام ہمارا رہنما ہے، اور اس سے بہتر نظام کوئی نہین پیش کر سکتا، اس عقیدہ یا دعوی کے ثبوت کیلئے ضرورت ہے کہ ہم تاریخ کی روشنی مین زندگی کے ہر پہلو کے متعلق اسلامی تعلیم کی برتری دکھائین جس سے اسلام کی مکمل شان نظر آئے، اس کیلئے یہ طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے کہ آج تک دنیا مین جتنے تمدن اور جتنی قومین پیدا ہوئین، خاص کر جن قومون کا قرآن مجید مین ذکر ہے پہلے ان کا مختصر تاریخی

حال لکھا جائے، اس کے بعد ان کی تہذیب کی روح سے بحث کیجائے، اور ان کی سوسائٹی کا مختصر مگر مکمل نقشہ پیش کرکے اس کے ماحول اور اس کے پیدا ہونے کے اسباب اور مختلف دورون کی تبدیلیون و ترقیون کو دکھا کر اس کے نفع و نقصان سے بحث کیجائے، اس کے بعد اس کا اسلامی سوسائٹی سے موازنہ و مقابلہ کیا جائے، یہ مقابلہ سارے نظام کا سارے نظام سے ہو بعض اجزا کا نہ ہو، اس سلسلہ میں زمانۂ حال کی سرمایہ دارانہ اور اشتراکی سوسائٹی کی تاریخ اس کے نظام کی روح اور اس کے ڈھانچہ کا پوری تفصیل سے ذکر کیا جائے، کہ یہ نظام کس طرح کن حالات میں پیدا ہوئے، اور وہ رفتہ رفتہ کس طرح موجودہ شکل تک پہونچے، اور اس کے کیا کیا نتائج پیدا ہوئے، اور ان سے کیا نقصان یا فائدے حاصل ہوئے، پھر ان کے مقابلہ مین اسلامی تعلیم سے ان چیزون کو دکھایا جائے، اس کے بعد اسلامی اور مغربی سوسائٹی کے ایک ایک جزء کا تجزیہ کرکے اسلامی سوسائٹی کی برتری دکھلائی جائے، اگر اس طرح سیرت لکھی جائے، تو وہ اسلام کا دائرۃ المعارف بن جائے گی، اور اس کے آئینہ مین حیاتِ انسانی کے ایک ایک خط و خال کی تصویر نظر آجائیگی، اسکے لئے اسکی ضرورت ہو کہ دنیا نے آجتک علوم و فنون اور عقل و تجربہ مین جتنی ترقی کی ہے ان سے پوری واقفیت کے بعد سیرت پر قلم اٹھایا جائے اور ان ترقیون سے سیرت کی تالیف مین پورا فائدہ حاصل کیا جائے، اگر یہ کام افراد کے بس کا نہ ہو، تو ایک جماعت اس کا بار اٹھائے،

(۳)

دنیا کے دوسرے حصون کی طرح آج کل ہندوستان میں بھی انقلاب کا نعرہ بلند ہو رہا ہے، مسلمان بھی قدرۃً اس سے متاثر ہو رہے ہین، اور ان میں ابھرنے کا جوش و ولولہ پیدا ہو رہا ہے، لیکن ابھی تک اسلامی انقلاب پیدا کرنے کے لئے نہ ان میں راہِ عمل کا تعین ہوا ہے، اور نہ نصب العین کی تشکیل ہوئی ہے، اسلامی انقلاب کے لئے ہم کو قومیت اسلامیہ ہندیہ کے ایک نئے قومی تخیل کی

داغ بیل ڈالنے کی ضرورت ہے، جس میں علمی طریقے سے اعداد و شمار کے ساتھ ہمارے تنزل کے اسباب سے بحث، ہندوستان کی دوسری قومون سے ہمارا مقابلہ اور آج تک ترقی کی جتنی جد و جہد ہو چکی ہے، اس کی تفصیل اور آیندہ کے لئے عملی پروگرام ہونا چاہیے کہ ہمارا مقصد کیا ہے اور ہندوستان میں اسلامی سوسائٹی کی تشکیل کیسی ہونی چاہیے؟ ترقی کے بحث کو اتنی اہمیت دیجائے، کہ علم کی ایک نئی شاخ بن جائے، ضرورت کے وقت نئے علوم و فنون پیدا کر لئے جاتے ہین، جس کی مثال ہندوستان مین ہمارے سامنے موجود ہے، دنیا میں علم الاقتصاد موجود تھا، لیکن ہندوستان کی اقتصادی ترقی اور اسکی طرف خاص توجہ دلانے کے لئے ایک نئی شاخ "ہندوستانی اقتصادیات" کے نام سے بنائی گئی، جسکی کتابین کالجوں میں پڑھائی جاتی ہین، اگر ہم بھی نئے علم قومیات کی تشکیل کرین تو اسے ہماری مدرسون اسکولون اور کالجون مین پڑھانے کی کوشش ہو سکتی ہے اور ندوۃ العلما ء اسکے لئے سب سے زیادہ موزون ہو سکتا ہے، اس علم کی تدوین کتاب و سنت کی روشنی مین ہو گی، اسلئے اس کا تعلق بھی سیرت کیساتھ ہو سکتا ہے،

(۴)

میرے دماغ مین جو منتشر خیالات تھے انکو مین نے ٹوٹی پھوٹی زبان مین پیش کر دیا ہے امید ہے کہ آپ اس پر غور فرمائینگے، ان سطور کے لکھتے وقت یہ خیال ذہن مین آرہا ہے کہ آپکا نام سلیمان ہے اور اس نام کے پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع ایسے جن تھے، جن کا بدن آگ سے بنا ہوا تھا، اور وہ ہوا اور پانی وغیرہ پر تصرف کر سکتے تھے، آج مغرب میں جن ہون یا نہ ہون، لیکن ان کی تہذیب جناتی ضرور ہے، کیونکہ اس تہذیب کا بہت کچھ آگ اور پانی پر دارو مدار ہے، اور ہوا اور پانی پر بھی اسکا تصرف ہے، اسلئے اس مناسبت سے کہ انبیا کے وارث علما ہین، میری یہ استدعا ہے کہ جس طرح حضرت سلیمانؑ نے جنون کو اپنے زیر فرمان کیا تھا، اسی طرح آپ کے ہاتھوں بھی ایسا کام انجام پائے، جس سے یہ جناتی تہذیب اسلام کی تعلیم کے زیر فرمان ہو جائے،

تلخیص تبصرہ

خودبینی

ونسٹن چرچل کو کسی نے ایک مرتبہ لعنت ملامت سے پُر خط لکھا تھا، چرچل نے اس کا یہ جواب دیا
آپ کے خط سے آپ کی دماغی پریشانی کا حال معلوم کرکے مجھے قلق ہوا، آپ نے میرے ساتھ بڑی
نا انصافی کی ہے، با این ہمہ میری ہمدردی آپ کے ساتھ ہے، کیونکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپکو
بڑی پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑا ہے" یہ جواب ایک ایسے بڑے آدمی کا تھا جس کو یقین تھا، کہ اس میں
خودبینی کے احساس کا کوئی شائبہ نہیں ہے دوسرا واقعہ یہ ہے کہ امریکہ کے پہلے صدر جارج واشنگٹن نے
کیچڑ میں پھنسی ہوئی گاڑی کو نکالنے کے لئے بلا تامل خود گاڑی میں ہاتھ لگا دیا تھا، اور ایک معمولی فوجی افسر
محض دوسروں کو للکارا کرتا مادہ کر رہا تھا، صدر جمہوریہ کے استفسار پر اس نے جواب دیا، کہ ایک افسر
ہونے کی وجہ سے وہ خود ہاتھ نہ لگا سکا، وہاں سے رخصت ہوتے وقت واشنگٹن نے افسر سے کہا
کہ آئندہ جب ایسی ضرورت پیش آئے، تو سپہ سالار کو بلا لینا" یہ مثال بھی ایک دوسرے بڑے
آدمی کی ہے، جو خودبینی کے احساس سے پاک تھا، یہ احساس اکثر لوگوں میں پایا جاتا ہے، ایک شخص اپنے
محدود اور تنگ حلقہ ہی میں اپنے کو اہم سمجھتا ہے، اور دوسرا واقعی اہم شخص ہے، اور اپنے کو اہم سمجھتا
بھی ہے، یہ دونوں اس احساس سے پاک نہیں، لیکن اس میں تصور رتبہ کا نہیں شخص کا ہوتا ہے، ممکن
ہے جو شخص اپنے نفس کی اہمیت کا احساس رکھتا ہے، اوس کے انداز رفتار سے بحیثیت ممبر پارلیمنٹ

کے ایک خاص شان کا اظہار نہ ہو، لیکن اپنے دوسرے عہدہ کی بنا پر وہ اسی خاص شان سے چلنا پسند
کرے، اور اگر باوجود اپنی کوشش و خواہش کے وہ اپنے احباب کے سامنے یہ شان نہیں اختیار
کرسکتا، تو کم از کم اپنے خاندان ہی پر ایک ڈکٹیٹر کی طرح مسلط ہو جائے گا، اصل یہ ہے کہ اگر کسی میں
یہ صلاحیت موجود ہے تو وہ ظاہر ہو کر رہے گی، آپ کا ذاتی تجربہ اس کی شہادت دے سکتا ہے، غالباً آپ کا
واسطہ کسی ایسے شخص سے ضرور ہوا ہوگا جو عہدہ یا پیشہ میں آپ سے بڑا ہو گا، وہ بار بار آپ کو حکم و ہدایت
دیتا رہتا ہے، جس کی غرض و غایت دراصل آپ کی چستی، مستعدی، اور قابلیت کو ترقی دینا نہیں،
بلکہ خود اس کے اہم رتبہ کا اظہار و قیام ہے، ایسے لوگ اس حقیقت سے ناآشنا ہوتے ہیں، کہ مرتبہ
یا عہدہ سے کوئی انسان بڑا آدمی نہیں ہوتا، ممکن ہے ایک چھوٹا آدمی کسی بڑے مرتبہ پر پہونچ جائے، لیکن اس
سے کوئی ذہین شخص اس فریب میں نہ مبتلا ہو گا، کہ وہ چھوٹا آدمی واقعی ایک بلند شخصیت رکھتا ہے۔

فوج یا اس قبیل کی ملازمتوں میں وردی ضروری چیز ہے، اس سے ذاتی اہمیت کا احساس
بڑھ جاتا ہے، اسلئے وردی کا صحیح استعمال ہمیشہ مفید ہوتا ہے، لیکن اس خطرہ سے بے خبر نہ رہنا چاہئے،
کہ کہیں کوئی چھوٹا اور نااہل آدمی وردی کو اپنی ذاتی اہمیت کے بڑھانے کا ذریعہ نہ بنالے، ایسا
شخص اپنے عہدہ کی توہین کرتا ہے، پختہ کار انسان کی پہچان یہ ہے کہ وہ ہر وقت اپنی ذاتی اہمیت
کے خیال میں ڈوبا نہیں رہتا، پختہ کاری کا ایک درجہ یہ ہے کہ ہم کو نظر انداز کئے جانے کا خوف ہی
رہ جائے، یہی چیز پختگی کی طرف ہماری بہترین رہنما ہے، اگر اپنی آمد و رفت میں ہم دوسروں کی توجہ
اپنی طرف مبذول کرانے کی خواہش سے بے نیاز ہو جائیں، تو ہم میں کسی حد تک پختگی پیدا ہو جائیگی،
اور ہم خودبینی کے بدترین جال سے آزاد ہو جائیں گے، اگر ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں، کہ ہم بڑی
حد تک خودبینی کا شکار ہو چکے ہیں یا اس سے محفوظ ہیں تو اس امتحان کے لئے ہم کو پورا ایماندار
ہونا پڑے گا، اس کا بہترین طریقہ اپنے نفس کو اس کے اصلی رنگ میں دیکھنا ہے،

خود بینی اکثر حقیقی یا خیالی احساس کمتری کا ردِ عمل ہوتی ہے، تکلیف دہ اور ناخوشگوار باتوں کو بھلا دینا، اور ان سے آزادی حاصل کرنا ہماری فطرت ہی، چنانچہ جہانتک احساس کمتری کا تعلق ہم بالکل اسی پر عامل ہین، ابتدا رمین انسان اپنی غیر متوازن جسمانی ساخت، رنگ روپ، اصلی یا حقیقی ذہنی کمتری یا اور اس طرح کی دوسری محرومیون سے بہت آزردہ ہوتا ہے لیکن جیسے جیسے وقت گذرتا جاتا ہی وہ اپنی کمتری کی زیادہ سے زیادہ تلافی کے لئے انتہائی کوشش کرتا ہے، وہ اپنے اندر بعض ایسی قابلیتین پیدا کرنا چاہتا ہے، جس سے وہ ہر طرف چھا جائے، اور اسکی کمتری پر پردہ پڑجائے یا کم از کم اسکی جانب سے عام توجہ ہٹ جائے، ایسی صورت مین عموماً یہ ہوتا ہے کہ وہ خود اپنی کمتری سے بے خبر اور پہلے سے کہیں زیادہ خود بین ہو جاتا ہے،

ایک غریب لیکن محنتی طالب علم جس کی آنکھین ٹیڑھی تھیں، اپنے ساتھیون میں ممتاز اور امتحان میں کامیاب ہونے کے باوجود مسرور نہ رہتا تھا تقریری مقابلون مین باوجود تیاری کے عین وقت پر شرکت سے گریز کیا کرجاتا تھا، ایک ماہر نفسیات نے اس کا سبب اس طالب علم کا غریب خاندان ہونا، بیرونی امداد سے سلسلۂ تعلیم جاری رکھنا، پبلک اسکول میں دولت مند خاندانون کے بچون کا ساتھ باہمی بے تعلقی، دوسرے بچون کے گھر جانے اور خود ان کو بلانے سے شرمندگی محسوس کرنا، بیان کیا، اپنی کمتری کے اس غیر صحیح احساس کی وجہ سے وہ رنجیدہ رہا کرتا تھا لیکن پھر اس پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد وہ مسرور اور مطمئن زندگی بسر کرنے لگا، اوس نے اپنے خاندان کو صحیح نقطۂ نگاہ سے دیکھا، غریب والدین کی قربانیون کی قدر وقیمت اور بلندی محسوس کی، اس احساس میں مبتلا ہونے والے لوگ اس طالب علم کی طرح بیدار ہو کر خود نمائی کے جذبہ کا قلع قمع نہیں کرتے، اور جس چیز کو وہ اپنی کمتری کا بدل یا پردہ پوش خیال کرتے ہین، اوس کو ترک اور اس سے توبہ نہیں کرتے،

خود نمائی کا عام سبب تو اپنی کمتری کا احساس ہوتا ہے، اس کا دوسرا سبب ابتدائی زندگی کے گرد وپیش کے غیر صالح حالات بھی معلوم ہوتے ہیں، جس کا نمونہ اکلوتے بگڑے ہوئے بچے ہین، ایسے بچے اپنی غیر صحیح تربیت کی وجہ سے اپنے کو کائنات کا مرکز تصور کرنے لگتے ہین، پھر ان مین توازن کا احساس پیدا ہونا بہت دشوار ہو جاتا ہے، ایک قدیم مقولہ ہے کہ "تکبر کا ناپسندیدہ پودا کمزور اور خراب زمین مین اُگتا ہے" اس مقولہ کی صداقت کا ثبوت سب سے زیادہ وہ لوگ پیش کرتے ہین، جن کے بچپن کے گرد وپیش کے حالات ناقابلِ اطمینان تھے، اس سلسلہ مین یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہی کہ ہم اس صلاحیت کے وجود کو تسلیم کرین، اور اسکو کبھی نہ بھولیں، اس میں غلو سے ہم دنیا مین اپنے مقام کا بالکل غلط تصور قائم کرتے ہین، اور خود بینی کا ایک ناممکن پہلو اختیار کرنا چاہتے ہین،

اس بیماری کے مریض کے لئے سب سے دشوار چیز خود مرض کا احساس ہے، اس مرض سے ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہی، کہ مریض نکتہ چینی کا کوئی اثر ہی قبول نہیں کرتا، اور ناقابلِ یقین حد تک وہ اپنی حالت سے بے خبر ہو جاتا ہی، اگر وہ ایک بار بھی کھٹک محسوس کرلے، تو اصلاح کی گنجایش وامید باقی رہتی ہے،

انسان کے لئے نفس کا محاسبہ بہت ضروری چیز ہے، اس کو غور و تامل سے دیکھتے رہنا چاہئے کہ ابتدائی یا موجودہ زندگی کے احساسِ کمتری سے کس حد تک ہم متاثر ہوئے ہین، یا ہو رہے ہین، اور پوری ایمانداری اور قوت کے ساتھ ایسے احساس کا مقابلہ کرنا چاہئے، اس پر غور کرنا چاہئے کہ ہماری ابتدائی زندگی میں ہمارے گرد وپیش کے کیا حالات تھے، اور ابتداءً خاندان میں ہماری حیثیت کیا تھی، ہمارا سب سے پہلا مقصد یہ ہونا چاہئے، کہ ہم اپنے کو اصلی خط وخال میں دیکھیں، اور اُن لوگون کو اچھی طرح سمجھیں، جنھون نے ہم کو وہ سب کچھ بنا دیا، جو آج ہم ہیں،

دنیا ایسے لوگون سے بھری ہوئی ہے، جو اس کے لئے بے چین ہیں کہ وہ جلد کچھ سے کچھ ہو جائین

اس مقصد کی اچھائی یا برائی سے بحث نہیں، لیکن ایسے لوگ بڑی پیچیدگیوں میں پھنس جاتے ہیں اور وہ خود اپنے نفس کو اور دوسرون کو دھوکا دیتے ہین، اور دوسرون کے سامنے اپنی بالکل غلط اور پُر فریب تصویر پیش کرتے ہین، ہم مین پختگی اسی وقت آئے گی، جب ہم مین اتنی جرأت پیدا ہوجائے، کہ ہم اپنے آپ کو اصلی رنگ روپ مین دیکھ سکین، اگر ہم اپنی ذات کو اس کے اصلی رنگ مین دیکھین، پہچانین، اور قبول کرین، تو ہم دوسرون کو بخوشی انگیز اور قبول کرلین گے، اور دنیا مین ان کی جگہ تسلیم کرین گے، ایسا کرنے سے اپنے نفس کی اہمیت اور خودنمائی ہم کو مغلوب نہ کرسکیگی، ہم اوس سے آزاد ہوجائین گے، ہماری آزادی کا معیار اسی پر ہے،

اس کے علاوہ ایک اور خطرہ سے باخبر رہنا ضروری ہے جب ہم پر خودنمائی کا پورا غلبہ ہوجاتا ہے، تو ہمارے لئے صرف ایک ہی راستہ کھلا رہجاتا ہے، وہ یہ کہ ہم گردوپیش کا چکر لگاتے ہین، دوسرون کی حالت کا اس طور سے جائزہ لیتے ہین، کہ ہم خود اپنی حالت پر خوش ہیں، دوسروں کے متعلق نامناسب خبرین پھیلاتے اور توہین آمیز بیانات دیتے ہین حالانکہ دوسرونکی اصلی حیثیت کو بے چون وچرا تسلیم کرنے کر ہماری زندگی میں سکون وعافیت پیدا ہوجاتی ہے، خودنمائی کا مارا ہوا انسان سکون وعافیت سے بالکل محروم ہوجاتا ہے، کیونکہ اس کو ہر وقت اس کا کھٹکا لگا رہتا ہے، کہ کہین کسی وقت کوئی واقعہ اس کی خودنمائی کے ہوائی قلعہ کو منہدم نہ کردے، اس کے لئے یہ مقولہ یاد رکھنا بہت مفید ہوگا، کہ "بندر جتنا ہی زیادہ اونچے چڑھنے کی کوشش کرتا ہے، اتنی ہی زیادہ وہ اپنی دم کو ظاہر کرتا ہے"

چرچل اور واشنگٹن کی مثالین ہمارے لئے بہت سبق آموز ہین، دونون ہستیان خودنمائی سے آزاد وبلند تھین، کیونکہ وہ اپنے کامون میں ہمہ تن مشغول ومتوجہ تھین، ان کی مفید جدوجہد نے انکو رکاکت کا موقع ہی نہین دیا، کسی معقول کام میں خلوص کیساتھ منہمک ہوجانے سے دوسرون سے اچھے تعلقات پیدا ہوجاتے ہین، اور خودنمائی کا موقع ہی نہین ملتا،

غور وفکر کا صحیح طریقہ

اپنے معتقدات اور خیالات کے دلفریب پہلوؤں کی ہمنوائی کرنا ایک ایسا خطرناک رجحان ہے، جس سے ہر ہوشمند انسان کو ہمیشہ بچنا چاہئے، خیالات کو آرزوؤن کے قالب میں ڈھالنا کبھی خطرہ سے خالی نہین، منطقیانہ غور وفکر کے چند اہم اصول ہین، جن پر عمل کرنے سے انسان خیالات کے فریب اور خطائے فکر ہی سے بچ سکتا ہے، وہ اصول یہ ہین،

اپنے خیالات کے متعلق ہمیشہ سوالات کرتے رہنا چاہئے، انھیں کیسے، کیون، کب، اور کہان وغیرہ استفہام کی کسوٹی پر پرکھنا چاہئے، ہر چیز کے اسباب وعلل پر بحث کرنا ضروری ہے، ہر صاحب فکر کے لئے استفسارات کے الفاظ خاص اہمیت رکھتے ہین، کسی مسئلہ کا حل اس وقت تک ناممکن ہے، جب تک اوس کے وجود کا علم، اور اس کے متعلق سوالات مرتب کرنے کی قابلیت نہ ہو، عام مشاہدات کو بے چون وچرا تسلیم کرلینا معلومات سے بے بہرہ رہنے کے مرادف ہے، گرجا کے مختلف لمپون کا مختلف بلندیون پر چھوٹی بڑی زنجیروں میں لٹکنا ایک ہی لمحہ میں انکا ایک طرف سے دوسری طرف ہوا سے متحرک ہونا ایک معمولی مشاہدہ تھا، لیکن گلیلیو نے اس مشاہدہ اور اپنی نبض کی حرکت کی مدد سے لمپوں کا ایک ہی وقفہ سے حرکت کرنا معلوم کرلیا، اور اس تجربہ سے اوس نے نہایت صحیح وقت دینے والی پنڈولم کلاک ایجاد کی،

باغ میں سیب کا درخت سے زمین پر گرنا نیوٹن کے لئے زمین کی قوتِ کشش کے انکشاف کا ذریعہ بنگیا، معمولی مشاہدات میں حیرت انگیز اسرار نہاں ہوتے ہیں، جن کو سوالات ہی بے نقاب کرتے ہین، سوالات کشفِ حقیقت کا ذریعہ ہیں، اگر مسلسل اور کافی سوالات کئے جائین، تو ان سے کسی نہایت اہم مسئلہ کی طرف رہنمائی کا امکان پیدا ہوجاتا ہے، تمام معلومات دراصل کسی نہ کسی

سوال کا جواب ہین،

سوالات بالکل واضح اور متعین ہونے چاہئین، اگر کسی سوال کا جواب نہیں ملتا، تو ممکن ہے کہ سوال واضح نہ ہو، اس لئے ہر ممکن پہلو سے سوال کرنا چاہئے، تاآنکہ جواب صرف ہان، یا نہیں رہ جائے، امریکہ کے ایک مشہور طبیب کو ملیریا کا سبب معلوم کرنا تھا، کہ ملیریا کیون ہوتا ہے، یہ سوال ایسا غیر متعین تھا کہ اس کا جواب نہ ملتا تھا، امراض کے متعلق طبیب کا تاغر علم تھا، کہ وہ یہ سمجھتا تھا، کہ جراثیم سے ملیریا پیدا ہوتا ہے، لیکن یہ سوال بھی مبہم تھا، مناسب تجربہ کرنے کے بعد اس سوال کا جواب صرف ہان، رہ گیا، اور ثابت ہوگیا، کہ ملیریا مچھرون سے پیدا ہوتا ہے،

کامیاب مفکر اپنے خیال کو بہت صاف اور سادہ شکل میں پیش کرتا ہے، اور ناکامیاب مفکر مبہم سوالات سے مطمئن ہوجاتا ہے، مبہم سوالات کے جواب نہیں ملتے، اور اسکی ناکامی کا یہی سبب ہوتا ہے، ہمارے غور و فکر مین ایسی سادگی اور وضاحت ہونی چاہئے، کہ مسئلہ زیر غور کا جواب صرف ہان، یا نہیں تک محدود ہوجائے، اور ان اسباب کی تلاش و جستجو ہونی چاہئے، جو جواب مین معین ہون، سوالات کے جوابات معلوم کرنے میں ہم کو خود سرگرم و مستعد ہونا چاہئے، اس کی توقع دوسرون سے یا آسمان سے نازل ہونے کی ہرگز نہ رکھنی چاہئے، مسائل کے بارے میں شہادت بڑی سرگرمی سے فراہم کرنی چاہئے، تاآنکہ ہم خود ان کا حل معلوم کرکے پیش کرسکین، مکمل ذہنی استفادہ اسی طرح کیا جاسکتا ہے،

سوالات کا مقصد صرف جواب ہی حاصل کرنا نہیں ہوا کرتا، بلکہ اس سے اپنی غور و فکر کی تعلیم بھی مقصود ہوتی ہے،

تضاد پر ہمیشہ نگاہ رکھنی چاہئے، پرانے زمانہ میں کسی مسئلہ کا حل عموماً مقولہ کی سی حیثیت اور مقبولیت حاصل کرلیتا تھا، اور یہ مقولے یکسان صورت میں لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے،

اور آج بھی ان کی مرتب اور واضح شکل نے ان مین ایک ایسی قوت اور تاثیر بخشی ہے کہ ان کو قبول کرنے مین کسی چون و چرا کی گنجایش نہین ہوتی، لیکن اکثر اصولون کے بنیادی اظہار مین بہت تضاد نظر آتا ہے، مثلاً "عجلت سے نقصان ہوتا ہے"، "میدان میں پہلے آنے والی چڑیا شکار ہوتی ہے" "بغیر خطرہ کے نفع نہیں ہوسکتا"، "اور نو نقد، نہ تیرہ ادھار"، "غوطہ لگانے سے پہلے سوچو"، اور جو سوچتا ہے، وہ تباہ ہوتا ہے"، یہ مقولے بالکل سائنس کے اصولوں کی طرح ہین، اور اسی طرح یہ وجود میں آئے، اور مخصوص اور متعین تجربوں کے بعد وضع کئے گئے، سائنس زندگی کے حالات سے عام اصول اخذ کرتی ہے، اور ان اصولوں کو اس طرح پیش کرتی ہے، کہ ویسے ہی حالات میں وہ ہمیشہ برتے جائین، سائنس کے اصول اور مقولے صرف تجربی وضاحتیں ہیں، جن میں نئے نئے تجربات کے ساتھ ساتھ، ترمیم، تنسیخ، اور تبدیلیان، ہوتی رہتی ہین، اس لئے اہل سائنس اور محققین کو اپنے نام نہاد قوانین کی ترمیم کے لئے ہر وقت تیار رہنا پڑتا ہے، مفکر اور سائنٹسٹ کبھی اسکے مدعی نہین ہوسکتے کہ ان پر آخری حقیقت کا انکشاف ہوگیا، ان کا ایمان و یقین ان کو شک و شبہہ سے پناہ نہین دیتا، تشکیک ان کی عادت ہوجاتی ہے، ان کا یقین صرف ان کے تازہ ترین تجربات کا نام ہے،

تجربہ دراصل فطرت سے استفسار کا نام ہے، اس لئے تجربہ ہمیشہ عقل کی رہنمائی مین کرنا چاہئے، مثلاً جس طبیب نے ملیریا کا سبب دریافت کیا تھا، اس کی بحث کی نوعیت یہ تھی، کہ اگر ملیریا مچھرون کی وجہ سے ہوتا ہے، تو انھین لوگون کو ہونا چاہئے جنھین مچھر کاٹتے ہین، اور جو لوگ مچھروں سے محفوظ رہتے ہین، انھیں نہ ہونا چاہئے، اس تجربہ کے لئے اوس نے ایک جماعت کو مچھرون کی زد مین اور دوسرون کو ان سے محفوظ رکھا، اس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ پہلی جماعت ملیریا میں مبتلا ہوگئی، اور دوسری اوس سے محفوظ رہی،

تجربہ صرف سطح ہی تک محدود نہ ہونا چاہئے، بلکہ اس کی ابتدا متعین عقلی بحث سے ہونی چاہئے اس بحث کی بنیاد ایک عام اصول پر ہونی چاہئے، اگر یہ اصول صحیح ہے، تو چند مخصوص حالات مین مخصوص نتائج مرتب ہونے چاہئین، انھیں نتائج کا مرتب ہونا یا نہ ہونا سوال کا جواب ہے،

ہر ذہین انسان کو اپنی ذہنی قوتوں کو اسی طرح کام میں لانا چاہئے، غلط مباحث سے انسان کو اس کی غلطی معلوم ہو جائے گی، ایسی صورت میں اسکو پیچھے ہٹنا اور نظر ثانی کرنا چاہئے، کہ اوس سے کہاں غلطی ہوئی، مباحث مین غلطی ہو جانا معمولی بات ہے، اس کا سبب بھی معمولی ہے، لوگوں میں ذہن کا فعل و عمل اتنا متفاوت مختلف اور پیچیدہ ہوتا ہے، کہ کوئی شخص کبھی بھی اپنی قوت فکریہ مین کمال کا دعویٰ نہیں کر سکتا، دلیل و بحث کو ہمین ایک ایسا کھیل سمجھنا چاہئے، جو وقت و تربیت چاہتا ہے، جس میں جوش و ہیجان سے ہر قسم کے خطرات پیدا ہو جاتے ہین، اس کھیل کی مسلسل مشق ترقی کی ضامن ہے،

"ن ص"

اخبارِ علمیہ

زخم کا پلاسٹر سے علاج

برشلونہ (اسپین) کے مشہور ڈاکٹر جاز فسہروٹا نے پلاسٹر کے ذریعہ زخموں کے آسان کامیاب اور سریع الاثر علاج میں بڑی کامیابی حاصل کی ہے، ڈاکٹر موصوف نے اس طریقۂ علاج پر جو کتاب لکھی ہے، اس کی اشاعت کے بعد ہی برطانوی ڈاکٹروں کو اس کے تجربہ کا جلد موقع مل گیا، چنانچہ موجودہ جنگ مین فرانس کے محاذ سے پسپا ہو کر بچ نکل آنے والی برطانوی فوجوں میں اسی طریقہ سے لاکھون زخمیوں کا فوری اور کامیاب علاج کیا گیا،

اس کا طریقہ یہ ہے کہ ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو بٹھا کر زخمون کے جراثیم پیدا کرنے والے مردار حصّون کو الگ کر کے زخمون کو ویسلین گاز سے ٹھنڈا کر دیتے ہین، اور پھر پلاسٹر آف پیرس مین تر کی ہوئی پیٹیان زخموں پر باندھ دیا جاتا ہے، اس طریقہ سے زخم خراب ہونے کے باوجود جلد مندمل و مریض شفایاب ہو جاتا ہے، پلاسٹر چڑھا دینے کے بعد زخمی ہر حال میں بالکل محفوظ ہو جاتا ہے،

بڑی توپ

"بگ برتھ" یعنی جو بڑی توپ فرانسیسی ساحل پر نصب کی گئی ہے کہا جاتا ہے، اوس کے گولے ۱۵۰ میل تک پہونچ سکتے ہین، لیکن ایسی توپون میں بہت سی خرابیاں بھی ہین ان کا نشانہ صحیح نہین ہوتا

ان سے ہوائی اور ریلوے مستقر پر گولہ باری تقریباً ناممکن ہے، ان کے گولے تیس میل کی بلندی سے گذرتے ہیں، ان کی لاگت ان کی نقل وحرکت اور ان کے نصب کرنے میں بہت زیادہ صرف ہوتا ہے، ایک بگ برتھ پر تقریباً چالیس لاکھ پونڈ صرف ہوئے ہین، اور ۲ سال میں بنکر تیار ہوئی ہے، اس سے کل ۲۹۵ فرانسیسی ہلاک ہوئے، ایسی توپین ریلوے لائن سے دور نہیں نصب کیجا سکتی ہین، اور دشمن کے ہوائی جہاز آسانی کے ساتھ انکا پتہ لگا لیتے ہین،

برقی موسمی نقشے

نیویارک میں موسم کی کیفیت دریافت کرنے کا جو برقی موسمی نقشہ ہے، اس پر نگاہ ڈالتے ہی ہوائی بندرگاہوں کے موسم کا حال معلوم ہو جاتا ہے، نقشہ میں ہر بندرگاہ کے لئے ایک قمقمہ ہے جس کا رنگ موسم کی حالت ظاہر کرتا ہے، یہ ایک لیور کے ذریعہ بدلتا رہتا ہے، ہرا رنگ بہتر موسم ظاہر کرتا ہے، سفید رنگ سے معلوم ہوتا ہے کہ بندرگاہ پر مشین کی مدد سے اترنا ممکن ہے، اور سرخ رنگ ایسی خرابی ظاہر کرتا ہے، جس مین جہاز کا اترنا مناسب نہین،

جیبی ریڈیوسٹ

ریڈیو انجنیرون نے پولیس کے استعمال کے لئے ایک اتنا چھوٹا ریڈیو تیار کیا ہے جو آسانی کے ساتھ واسکٹ کے جیب میں رکھا جا سکتا ہے، حال ہی میں شکاگو (امریکہ) میں اس کی نمایش کی گئی، یہ بیٹری سے چلتا ہے، اس میں دو ڈورے لگے ہوتے ہیں، اس کی مشین کل ۴ انچ لمبی، ۳ انچ چوڑی اور ایک انچ موٹی ہوتی ہے، جس میں ایک چھوٹا سا ہیڈ فون، دو ڈورون سے بندھا ہوتا ہے جسے کان یا منہ کے قریب لاکر سنتے اور بولتے ہین، اس کا وزن تقریباً نو اونس ہے، توقع ہے کہ

اس کی مدد سے پولیس کے آدمی سادہ لباس مین گشت کرتے ہوئے فوراً خبرین دے اور لے سکین گے،

ہلکی سائیکل

امریکہ میں ایک ہلکی اسپورٹ سائکل تیار کی گئی ہے، اس کے دو ٹکڑون کو ۵ اسکنڈ کے اندر جوڑ کر اور الگ کرکے سائکل کو تیار اور تہ کیا جا سکتا ہے، اس سائیکل کو حسب خواہش چھوٹی بڑی بھی کر سکتے ہیں، اور آسانی کے ساتھ موٹر اور کشتی مین رکھی جا سکتی ہے،

ایک نئی کلاک

اب تک دیوار کی گھڑیوں کو صرف سامنے سے دیکھا جا سکتا تھا، لیکن حال میں ایک خاص طرز کی کلاک بنائی گئی ہے، جس کے ڈائل پر مخصوص شکل کے ہندسے ہیں، ان کی خصوصیت یہ ہے کہ انھین بغلی زاویون سے دیکھ کر بھی وقت معلوم کیا جا سکتا ہے،

غلہ سے اون

ماہرین کیمیا نے اعلان کیا ہے، کہ معمولی غلون سے اون نکالا جا سکتا ہے، اس اون سے ربر کی طرح نرم چکنے اور بڑھنے والے کپڑے بنے جائین گے، اور اُن سے برساتی اور اسی قسم کی دوسری چیزین بھی بنائی جا سکین گی، خاصیت کے اعتبار سے یہ اون بالکل جانورون کے اون کی طرح ہوگا،

نہ نظر آنے والی عینک

حال میں چشمہ کے ایسے تالے تیار کئے گئے ہین جنکی عینک چہرہ پر نظر نہیں آتی تالون کے حاشیون سے ایسی روشنی پھوٹ کر نکلتی ہے، کہ تالے اس میں چھپ جاتے ہین،

بابُ التقریظ والانتقاد

نئے رسالے

آموزش و پرورش (فارسی) مرتبہ محیط طباطبائی، ضخامت ۸۰ صفحے، کاغذ اور ٹائپ نفیس،
قیمت مرقوم نہیں، پتہ، طہران، ایران،

اب سے چند سال پیشتر تک ایران علمی اعتبار سے بہت پیچھے تھا، رضا شاہ کے دور میں وہ اس میدان میں بھی تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے، وہان کے ممتاز فضلاء کی ایک جماعت علمی خدمت میں مشغول ہے، فارسی کی قدیم اہم اور نایاب کتابین، فاضلانہ تصحیح و تحشیہ کے ساتھ شائع ہو رہی ہین، نئی تالیفات کا سلسلہ بھی جاری ہے، اور متعدد اچھے رسالے نکلتے ہین، ان مین ایک "آموزش و پرورش" بھی ہے، یہ رسالہ کئی سال سے نکلتا ہے، ہمارے یہان کچھ دنون سے آنا شروع ہوا ہے، یہ رسالہ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، بچون اور طالب علمون کی تعلیم و تربیت پر ہے، اس مین تعلیمی مضامین و معلومات کے علاوہ مفید علمی مضامین بھی ہوتے ہین، اور جدید تعلیمی مباحث کے ساتھ قدیم علمی و تعلیمی معلومات بھی پیش کرتا ہے، معنوی حیثیت اور ظاہری نفاست دونون کے اعتبار سے یہ رسالہ یورپین زبانون کے اچھے سے اچھے رسالہ کے ٹکر کا ہے، کہین کہین ابھی خاصی پرانی متعارف عربی اصطلاحون کی جگہ نئی نئی خالص فارسی کی اصطلاحین نظر آتی ہین، ان مین بعض نہایت خوبصورت ہین، اور ایرانیون کی خوش مذاقی کو ظاہر کرتی ہین، مثلاً آموزش و پرورش (تعلیم و تربیت) دانشگاہ

(کالج) آموزگاہ (اسکول) دانش جوئے (طالب علم) دانش آموز (پروفیسر) دبستان (مکتب) وغیرہ لیکن مضامین مین عربی کے الفاظ بدستور بکثرت نظر آتے ہین،

موسیقی (فارسی) مرتبہ مرگرد، غ مین باشیان، ضخامت ۸۰ صفحے، کاغذ اور ٹائپ نفیس،
قیمت مرقوم نہیں، پتہ:۔ طہران، ایران۔

یہ رسالہ بھی وزارت تعلیم کی طرف سے نکلتا ہے، اس مین فن موسیقی پر فنی تاریخی اور ادبی مضامین ہوتے ہین، اس مین تجدد کے آثار زیادہ نظر آتے ہین، ایرانی نغمہ کو جدید فنی اصولون کے مطابق بنانے کی کوشش نمایان ہے، اس بنا پر بعض مضامین ایسے نامانوس ہو گئے ہین، کہ ان کا سمجھنا مشکل ہے، بہرحال یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ ایران کا "نوحۂ غم" کسی طرح "نغمۂ شادی" سے تو بدلا، پہلوی زبان کے احیاء کے آثار اس مین بھی نمایان ہیں جن لوگون کو موسیقی خصوصاً ایرانی نغمہ کا ذوق ہو اس رسالہ مین ان کی دلچسپی کا کافی سامان ہے،

سیاست مرتبہ ڈاکٹر یوسف حسین خانصاحب، ایم پی ایچ ڈی، تقطیع بڑی، ضخامت غیر معین، کاغذ، کتابت، و طباعت بہتر، قیمت سالانہ ۵ر، پتہ:۔ سید عبدالقادر اینڈ سنس، اعظم بلڈنگ حیدر آباد دکن،

اردو زبان اگرچہ اب سیاسی لٹریچر سے بالکل خالی نہیں ہے، لیکن کمیت اور کیفیت دونون حیثیتون سے اسکی بڑی کمی ہے، اس کا ایک سبب اس فن کے صاحب علم و نظر اہل قلم کی بے توجہی تھی، لیکن اب حالات و ضروریات نے انھیں اس طرف متوجہ کر دیا ہے جس کا ایک مفید نتیجہ رسالہ "سیاست" ہے، اسکے لائق اڈیٹر خود استاد سیاست ہین، اور اس موضوع پر ان کے مضامین متعارف ہو چکے ہین، حیدر آباد مین نظری سیاست دانون کا اچھا خاصہ مجمع ہے، اس لئے یقین ہے کہ اس رسالہ کے ذریعہ قابل اعتماد سیاسی لٹریچر کی کافی اشاعت ہوگی، ابتدائی نمبرون کے مضامین جس کے شاہد ہین، جیسا کہ

فاضل اڈیٹر نے لکھا ہے، کہ سیاست کا لفظ اگرچہ آج کل بہت محدود معنون میں استعمال ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اس کے معنی بہت وسیع ہین "اس اعتبار سے اس رسالہ کے موضوع کا دائرہ محض متعارف سیاست تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس میں حکومت اور اجتماعی زندگی کے وہ تمام مباحث و مظاہر داخل ہین جن کا اثر کسی پہلو سے ریاست اور سیاست پر پڑتا ہے، چنانچہ اس میں جدید سیاسی مباحث کے تمام شعبوں کے ساتھ قدیم تاریخ کے سیاسی حالات اور ان کے نتائج پر بھی مفید مضامین ہوتے ہین، ہم نے اس رسالہ کے تین نمبر دیکھے، ہر نمبر میں سیاسیات کے مختلف پہلوون پر ممتاز اہل قلم کے مفید اور پراز معلومات مضامین ہین، لائق اڈیٹر کے مضامین اور مسائلِ حاضرہ پر ان کا تبصرہ خصوصیت کے ساتھ زیادہ مفید ہے، "ہندوستان کا سیاسی مستقبل" بہت اچھا مضمون ہے، جو لوگ مشینی دور کو دنیا کے لئے رحمت سمجھتے ہین، سید وہاج الدین صاحب کا مضمون "مشین و معاشرت"، اون کے غور و تامل کے لائق ہے، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے موجودہ سیاسی اصولون کی روشنی مین "عہد نبوت کی سیاست کاری اور ہجرت" پر محققانہ تبصرہ کیا ہے، پروفیسر محمد جمیل الرحمٰن صاحب نے "عہد وسطیٰ میں مصر کی معاشی حالت" پر اچھے معلومات جمع کئے ہین، قاضی عبد الغفار صاحب کے قلم سے سید جمال الدین افغانی کی سیرت کے بعض اجزا ہین، کاش اسکی تکمیل ہو جاتی، ان کے علاوہ "ہندوستان کی آبادی کا مسئلہ" ڈاکٹر انور اقبال "وضع قوانین کے ذریعہ عمرانی اصلاح"، ڈاکٹر جعفر حسن وغیرہ کوئی مضمون بھی فائدہ سے خالی نہیں، سیاسیات کے اس سنجیدہ اور مفید رسالوں میں ایک اچھے رسالہ کا اضافہ ہوا ہے اور وہ اس قابل ہے کہ اسے زندہ رکھا جائے،

ہمارا مستقبل، مرتبہ جناب آفتاب احمد خان صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۶۲ صفحے کاغذ

کتابت و طباعت بہتر قیمت سالانہ ۵ر فی پرچہ ۸ر پتہ:۔ نظر باغ لکھنؤ،

یہ رسالہ چند مہینون سے لکھنؤ سے نکلتا ہے، مسلم لیگ کا ترجمان ہے، اور اسی نقطۂ نظر سے

مسلمانون کی سیاست پر بحث کرتا ہے، گو یہ رسالہ ایک خاص سیاسی مسلک کا مبلغ ہے، تاہم ہندوستان کی سیاسی گتھی کو سلجھانے کے لئے اس کے بعض مضامین مثلاً "ہمارے قومی مسائل" میان بشیر احمد صاحب "دستور اسمبلی" ڈاکٹر شفاعت احمد خان "این ہمہ آوردہ تست" ڈاکٹر سی آر. ریڈی ہر جماعت کے لئے قابلِ غور ہین، ان جماعتی مسائل کے ساتھ ہندوستان اور بیرونِ ہند کے سیاسی حالات پر تبصرہ، ان پر ہندوستانی اخبارات کی رائین، اور اخبارات و رسائل سے مفید منقولات وغیرہ عام سیاسی حالات و اخبار کا بھی کافی سامان ہوتا ہے، مرزا یار جنگ بہادر کا مضمون "درجہ نوآبادیات" پراز معلومات ہے،

اقبال مرتبہ ظفر احمد صاحب صدیقی ایم اے علیگ تقطیع بڑی ضخامت ۰۰ صفحے، کاغذ

کتابت و طباعت بہتر قیمت سالانہ للعہ فی پرچہ ۶ر پتہ:۔ شبلی روڈ، علی گڈھ،

یہ رسالہ بھی سیاسی مسلک مین "ہمارا مستقبل" کا ہم خیال ہے، لیکن مذہبی رنگ لئے ہوئے اور موجودہ قوم پرستون، سوشلسٹون کے مقابلہ میں مذہب کا علمبردار ہے، اس کے مذہبی جذبات لائق قدر ہین، لیکن سیاسی مسلک مین غلو اور شدت زیادہ ہے، اور وہ کسی قیمت پر بھی مذہب اور خدمتِ وطن مین مفاہمت کے لئے تیار نہین ہے، جس کا ایک نمونہ لائق اڈیٹر کا مضمون "پاکستان قرآن حکیم کی روشنی مین" ہے، مذہبی رنگ کے سیاسی مضامین کے ساتھ خالص مذہبی اور علمی مضامین بھی ہوتے ہین، ان مین "عہدِ سلف کا ایک ورق" ضیا احمد صاحب "اسلام کیا ہے" پروفیسر عبد الستار خیری "خدا کا آخری پیغام" اور "دین دنیا، مذہب" یعقوب حسین خانصاحب اچھے مضامین ہین، اس رسالہ کے سیاسی خیالات کچھ ہون لیکن اسکی دینی حمیت اور مذہبی جذبات بہرحال قابلِ قدر ہین، اور مسلمان نوجوانون کی "وطنی دہریت" کے مقابلہ مین یہ سیاسی غلط روی کہین بہتر ہے،

پیغام حق، مرتبہ جناب غلام سرور صاحب نگار تقطیع بڑی ضخامت ۴۸ صفحے کاغذ،

کتابت و طباعت بہتر، قیمت: سالانہ اعہ ۱۲/ فی پرچہ ۸ر، پتہ:۔ اقبال اکیڈمی لاہور،

ظفر منزل، تاجپورہ، لاہور،

یہ کوئی نیا رسالہ نہیں ہے، بلکہ لاہور کے سابق رسالہ پیغام حق کا دوسرا جنم ہے، صرف اتنا فرق ہوگیا ہے، کہ پہلے اوس کے اڈیٹر اور مالک سید محمد شاہ صاحب تھے، اب اسکی عنان ادارت غلام سرور صاحب کے ہاتھوں میں آگئی ہے، اس کا مقصد سر اقبال مرحوم کے افکار و عقائد کی اشاعت و تبلیغ ہے، سیاسی خیالات میں بھی انہی کا پیرو ہے، اس مقصد کے لحاظ سے اقبال کی شاعری اور ان کی تعلیمات پر التزام کے ساتھ مضامین ہوتے ہین، چنانچہ اڈیٹر کے قلم سے "اسرار خودی" کی مسلسل شرح، اور سراج محمود صاحب کے قلم سے "السحر الحلال فی کلام علامۃ الاقبال" (کذا) کے عنوان سے ان کے بعض اشعار کی تلمیحات کی تشریح نکل رہی ہے، لیکن اکثر مضامین منقول ہیں، "الجہاد فی الاسلام" "اتباع و اطاعت رسول" مولنا ابو الاعلیٰ مودودی "ملتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر" سر اقبال مرحوم بہت پرانے مضامین ہین، خیال آتا ہے کہ "اقبال کا تصور زمان" پروفیسر سلیم چشتی بھی اردو کے اقبال نمبر مین نکل چکا ہے، مرزا عزیز فیضانی کا مضمون "رہبانیت" ایک نیا معلوم ہوتا ہے، بہتر ہوتا کہ رسالہ کو سر اقبال کے کلام و تعلیمات کی تشریح و تاویل تک محدود رکھا جاتا، اور انہی کے متعلق اچھے مضامین پیش کئے جاتے، ورنہ ان منقولات سے تو رسالہ کا معیار بہت گر جائے گا، حدیث و سنت کی تبلیغ البتہ ایک مفید مذہبی خدمت ہے،

العزیز، مرتبہ جناب سراج محمود صاحب بی اے تقطیع بڑی ضخامت ۴۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت سالانہ عار فی پرچہ ۳ر، پتہ:- عزیز المطابع بہاولپور،

یہ رسالہ مشہور علم دوست اسلامی ریاست بہاولپور سے نکلتا ہے، اوس کے نگران مولانا عزیز الرحمن صاحب بہاولپور کے ممتاز فضلاء میں ہین، جس کا اثر رسالہ کے مضامین میں نمایان ہے، ہم نے اس رسالہ کے کئی نمبر دیکھے، ہر نمبر کو مضامین کی سنجیدگی اور معلومات کے تنوع کے لحاظ سے بہتر

پایا، مولانا عزیز الرحمن صاحب کے قلم کے مضامین "نوادر کتب خانہ سلطانی" "مسلمان اور فن تعمیر" "اسلام اور جغرافیہ نویسی" خاص طور سے زیادہ مفید ہین "مسلمان اور فن تعمیر" کے مضمون مین یہ تسامح ہے کہ قسطنطنیہ کی مسجد ایا صوفیہ مسلمانوں کی تعمیر ہے، دراصل یہ قسطنطین کا گرجا تھا، جسے مسجد بنا لیا گیا تھا، "تاریخ بہاولپور" اور "مشاہیر بہاولپور" کا سلسلہ بھی دلچسپ ہے، عام دلچسپی کے لئے ادب اور افسانے کی چاشنی بھی موجود ہے، امید ہے کہ اس رسالہ کے ذریعہ اہل بہاولپور مین اردو ادب و انشا کا ذوق پیدا ہوگا،

مشہور، مرتبہ جناب حکیم محمد تقی صاحب دہلوی تقطیع بڑی، ضخامت ۲۲ صفحے، کاغذ معمولی، کتابت و طباعت بہتر، قیمت سالانہ عار، پتہ:- ممتاز منزل فراشخانہ، دہلی،

یہ رسالہ طبی اغراض کے ماتحت دہلی سے نکلا ہے، لیکن ادب اور لٹریچر کا حصہ اتنا غالب ہے کہ اسے بلا تکلف ادبی رسالہ کہا جا سکتا ہے، اور اس اعتبار سے عام ادبی رسالوں سے برا نہیں ہے، کبھی کبھی مفید اور سنجیدہ مضامین بھی نظر آجاتے ہین، "اصلاح تمدن" سر شاہ سلیمان اور "چند ہندوستانی مسلمان سیاح" مولوی سعید احمد صاحب اکبرآبادی مفید اور قابل ذکر مضمون ہین، مزاحیہ افسانون مین "عطار" اور "جنون" کوثر چاندپوری دلچسپ ہیں،

بیداری مرتبہ جناب واحدی صاحب تقطیع بڑی، ضخامت ۵۶ صفحے، کاغذ معمولی کتابت و طباعت اچھی، قیمت سالانہ عہ ششماہی ۹ر، پتہ کوچہ چیلان، دہلی،

یہ رسالہ حال ہی میں دہلی سے نکلا ہے، سرورق پر اسے "مذہبی، سیاسی، تمدنی، اور ہر قسم کی غلط فہمیون اور غفلتون کو دور کرنے والا" ظاہر کیا گیا ہے، خواجہ حسن نظامی اسکول کے رسالون کی خصوصیات اور ان کے مضامین کی نوعیت اتنی متعارف ہے، کہ اس کے بتانے کی ضرورت نہیں، اسی رنگ کا "مذہب و سیاست اور تاریخ و معاشرت" وغیرہ کا مخلوط مجموعہ یہ رسالہ بھی ہے، ایک روپیہ مین یہ سودا گران نہیں،

ہادی: جناب سید ابن زکی صاحب ایم اے تقطیع بڑی ضخامت ۴۸ صفحے، کاغذ سپید، کتابت و طباعت اچھی، قیمت سالانہ عہ؍ پتہ :- گورنمنٹ اردو ٹریننگ اسکول پونہ،

یہ تعلیمی رسالہ گورنمنٹ نارمل اسکول پونہ سے حال ہی مین نکلا ہے، ہم نے اس کا صرف ایک نمبر دیکھا، اس نمبر میں تعلیمی موضوع پر اچھے مضامین اور مفید معلومات نظر آئے، ان سے اندازہ ہوتا ہے، کہ اس موضوع پر آئندہ اچھا رسالہ ثابت ہوگا، "تاریخ پڑھانے کے مقاصد" جناب اخلاق احمد صاحب قریشی، اور "لازمی تعلیم" زبیدہ خاتون صاحبہ خاصے مفید مضامین ہین، امید ہے کہ یہ رسالہ تعلیمی خدمت کیساتھ پونہ میں اردو کی بھی مفید خدمت انجام دے گا،

کاروان: جناب نسیم بہاری تقطیع بڑی، ضخامت ۳۲ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت اوسط، قیمت سالانہ عہ؍ فی پرچہ ۳ر، پتہ :- برقی پریس سبزی باغ بانکی پور پٹنہ،

یہ رسالہ "ادارۂ علیہ" پٹنہ کی جانب سے نکلا ہے، ہم نے اس کے دو نمبر دیکھے، علمی ادبی سیاسی ہر ذوق کا سامان ہے، لیکن ابھی مضامین کا معیار بہت معمولی ہے، رسالہ کی ترتیب، اور زبان کی خامیوں کی طرف زیادہ توجہ کی ضرورت ہے، پٹنہ مین ایسے لکھنے والے موجود ہیں، کہ وہان سے ایک ستھرا رسالہ آسانی کے ساتھ نکل سکتا ہے، اور یہ خامیان تھوڑی سی توجہ سے دور ہو سکتی ہیں، عطاء اللہ صاحب پالوی کا مضمون "پیام اقبال میری نظر میں" دلچسپ ہے، مبالغہ آمیز مدح سرائی میں لکھنے والون کو تضاد بیان کا بھی لحاظ نہین رہتا،

"م"

خلفائے راشدین

اس میں خلفائے راشدین کے ذاتی حالات، فضائل، مذہبی، اور سیاسی کارنامون اور فتوحات کا مفصل بیان ہے، قیمت ۳ر، ۳۸۰ صفحے،

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

تاریخ ادبیات ایران: مترجمہ سید ریاض الدین صاحب ایم اے کنتوری، تقطیع بڑی، ضخامت ۶۷ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مرقوم نہیں، پتہ :- انجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی،

انجمن ترقی اردو اس سے پہلے پروفیسر اڈورڈ براؤن کی مشہور و محققانہ تالیف "تاریخ ادبیات ایران" کے بعض حصوں کا ترجمہ شائع کر چکی ہے، یہ اس کتاب کے آخری حصہ کا ترجمہ ہے، اس مین صفویون کے دور ۱۵۰۰ء سے قاجاریون کے آخری زمانہ ۱۹۲۴ء تک پورے چار سو سال کی ایرانی ادبیات کی تاریخ ہے، کتاب تین حصون میں تقسیم ہے، پہلے حصہ میں صفویون اور قاجاریون کی سیاسی تاریخ پر اجمالی تبصرہ ہے، اس مین اس دور کے سیاسی انقلابات و حوادث کے ساتھ ضمناً بعض مذہبی، علمی اور دوسرے مفید معلومات بھی آگئے ہین، خصوصاً اس دور کے تاریخی ماخذون کی بحث بہت بیش قیمت ہے، دوسرے حصہ میں شاعری کی تاریخ اس پر تبصرہ اور شعراء کا تذکرہ ہے، اس کے پہلے باب میں شاعری کے مختلف انواع، مذہبی شاعری، عامیانہ مذہبی بابی گیت، صوفیانہ اور جذباتی سیاسی شاعری وغیرہ پر ایک عام تبصرہ ہے، دوسرے باب میں ۱۵۰۰ء سے ۱۸۰۰ء تک یعنی قاجاریون سے پہلے تک کے شعراء کا مختصر تذکرہ ہے، اور بعض کے نمونہ کلام ہین، اس میں ہندوستان کے ایرانی شعراء کے مختصر حالات بھی آگئے ہیں، تیسرے باب میں قاجاری دور کے شعراء کا تذکرہ ہے، تیسرے حصہ مین نثر کی تاریخ ہے، اس کے پہلے باب مین عقیدۂ شیعیت، اکابر مجتہدین، اور ان کی مذہبی

تصانیف کا حال ہے، دوسرے باب میں ۱۸۵۰ء تک کی نثر کی تاریخ مین مذہب، مناظرہ، فلسفہ، کلام،
ریاضیات، علم طبعی، تاریخ عام، تاریخ خاص اور سیر و سوانح کی تصانیف، اور سفرنامون کا حال
اور اس دور کے اسلوب انشاء کے تغیرات پر تبصرہ ہے، تیسرے باب میں جدید ادب یعنی غیر زبانون
کے تراجم، ناول، ڈرامے، افسانے، اخبارات، اور پریس وغیرہ کے حالات ہین، یہ اس کتاب کے مباحث
کا اجمالی خاکہ ہے، ہر بحث میں اس کے جملہ متعلقات کی پوری تفصیل ہے، اس طرح یہ کتاب آخری چار سو
سال کے ایرانی ادبیات کی تاریخ کے ساتھ اسکی علمی و فلسفیانہ تنقید اور اس کے طبعی تغیرات
کی تفصیل بھی ہے، ادبیات کے ساتھ ساتھ ضمناً بہت سے مفید علمی و مذہبی حالات، اور ایران
کے متعلق بہت سے متفرق معلومات بھی آگئے ہین، ایک مقام پر فاضل مؤلف سے بعض مذہبی امور
مین تسامح ہو گیا ہے، مثلاً صفحہ ۲۷۵ پر وہ لکھتے ہین کہ "سنیون میں مجتہدین کی طرح کا کوئی رتبہ یا
درجہ نہیں ہے، اسلئے کہ انکا عقیدہ تو یہ ہے کہ چارون امامون (ائمہ کے نام) کے بعد باب الاجتہاد
ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا" یہ خیال مختلف وجوہ سے غلط ہے، اولاً تو یہ کہ یہ کسی کا عقیدہ نہین کہ ان
چارون امامون کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا، پھر اس مسئلہ کو عقیدہ سے کوئی تعلق نہین، البتہ
سنیون میں عام خیال یہ ضرور ہے کہ چار امامون نہیں بلکہ چار صدیون کے بعد اجتہاد کا دروازہ اسلئے
بند کر دیا گیا، کہ اختلافات اور فتنون کے دروازے کھل گئے تھے، مگر بہر حال یہ عام خیال سا ہے،
کوئی متفقہ نظریہ نہین، آج بھی سنیون میں اہلحدیث کی جماعت موجود ہے، جو تحقیق و اجتہاد کی
مدعی ہے، اور خود مقلدین مین بھی نئے مسائل کے لئے تحقیق کا دروازہ کھلا ہوا ہے، لائق مترجم کا نام
ترجمہ کی خوبی کی ضمانت ہے، البتہ انگریزی املا کی وجہ سے ایک دو نامون میں خفیف سا فرق ہو گیا ہے،
مثلاً "فرغانہ" کے بجاے "فرغنہ (ص ۱۵)" اور "ابو مخنف" کے بجائے "ابو مخناف"،

مقدمہ زندگانی محمد صلعم، مترجمہ جناب محمد حسین صاحب عرشی تقطیع چھوٹی ضخامت ۸۹ صفحے،

کاغذ، کتابت و طباعت معمولی، قیمت:- دس آنے، پتہ:- دفتر
امت مسلمہ امرتسر،

مصر کے ایک ممتاز صاحب قلم محمد حسین ہیکل نے عرصہ ہوا، عربی میں سیرۃ النبی صلعم پر ایک
کتاب لکھی تھی، ایران مین اس کا فارسی مین ترجمہ ہوا، اس فارسی ترجمہ سے عرشی صاحب نے اردو مین
ترجمہ کیا ہے، اس مین قدامت پرستی اور تجدد نوازی دونون سے احتراز کیا گیا تھا، اس لئے
دونون طبقون نے اس پر اعتراضات کئے، قدیم خیال کے لوگون کو اس پر یہ اعتراض تھا، کہ مؤلف
نے حدیث و سیرت کی روایات قبول کرنے مین زیادہ سختی سے کام لیا ہے، اور جدید طبقہ کا اعتراض
تھا کہ سیرت میں صرف عربی ماخذون پر اعتماد کیا گیا ہے، اور مستشرقین کی تحقیقات کو قابل اعتنا
نہین سمجھا گیا، مؤلف نے ان دونون اعتراضون کا جواب دیا ہے، پہلے اعتراض کے جواب مین
حدیث و سیرت کی روایات کے قبول کرنے مین احتیاط کے اسباب و وجوہ بتائے ہین، اور دوسرے
اعتراض کے جواب میں مستشرقین کی تحقیقات کو علمی نقطۂ نظر سے ناقابل اعتبار
ثابت کیا ہے، ان بحثون مین کلام اللہ کی صحت، اسکی تدوین اور احادیث و سیرت کی جمع و
ترتیب کی تاریخ اور اسکی روایات پر تنقید کے اسباب اور انکے قبول کرنے مین احتیاط کی تفصیل
بھی آگئی ہے، فاضل مترجم کو جو اہل قرآن ہین آخری بحث مین اپنے عقیدہ کی تائید مین بعض باتین
نظر آئین، اس لئے انھون نے اس کا ترجمہ کر دیا، حالانکہ اس سے مؤلف کا مقصد صرف روایات کی جانچ اور
انکے قبول کرنے مین احتیاط ہے، جس کی شاہد "حدیث کے پرکھنے کا معیار" کی سرخی ہے ورنہ سرے سے ناقابل
قبول شے کے پرکھنے کے کیا معنی؟ یہ ضرور ہے کہ مؤلف نے اس کا معیار زیادہ سخت کر دیا ہے، اس
سلسلہ مین انھون نے جو کچھ بھی لکھا ہے، اس میں کوئی چیز نئی نہین ہے، یہ تمام بحثین رجال کی کتابون
مین موجود ہین، اور محدثین نے ہمیشہ حدیث کے رد و قبول مین ان کا لحاظ رکھا ہے، اور اگر بالفرض

محمد حسین ہیکل حدیث کی صحت سے منکر بھی ہون تو یہ ان کا قصور نظر ہے، اہل علم کے نزدیک محض کسی کا مصری فاضل ہونا اس کے ہر خیال کی صداقت کی سند نہین ہے، اگر یہ معیار درست مان لیا جائے تو پھر طہٰ حسین کے خرافات بھی قابل تسلیم ہون گے، اس کتاب مین حضرت عمرؓ کا یہ حکم کہ "جس شخص کے پاس کوئی حدیث لکھی ہوئی ہو، تو اُسے وہ مٹا ڈالے" معلوم نہیں کہان سے نقل کیا ہے، اگر کہین ہو تو یا تو کسی نا تمام حکم کا ٹکڑا ہے یا اسکا انتساب غلط ہے کہ قبول حدیث مین حضرت عمرؓ کا عمل خود اس کے خلاف ہے، بہر حال اس کتاب مین کلام اللہ کی صحت کے اہتمام اسکی تدوین کی تاریخ اور مستشرقین کی تحقیقات کے بارہ مین مفید معلومات ہیں، کتاب کے آخر مین لائق مترجم نے آیات قرآنی سے کلام اللہ کی جمع و ترتیب اور اسکی کتابت و صحت کے من جانب اللہ ہونیکے دلائل فراہم کئے ہین، اور "تدبر فی القرآن" اور "قرآن کے اتباع" کے حکم سے حدیث کے ناواجب الطاعۃ ہونے کا نتیجہ نکالا ہے، لیکن اس حکم کو حدیث کے ناواجب الطاعۃ ہونے سے جو تعلق ہے، وہ ظاہر ہے،

شاہ نعمت اللہ ولی، مرتبہ جناب ایم اے حفیظ صاحب تقطیع اوسط ضخامت ۸۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۱۲؍، پتہ:- غالباً مسلم یونیورسٹی پریس علی گڈھ سے ملے گی.

شاہ نعمت اللہ کے مشہور قیامت نامہ کی وجہ سے ہر پڑھا لکھا شخص ان کے نام سے واقف ہے، لیکن ان کے حالات کم لوگوں کو معلوم ہون گے، شاہ صاحب ساتوین آٹھوین صدی کے ایک صوفی مشرب شیعہ تھے، ساتوین صدی کے اوائل میں حلب میں پیدا ہوئے، اور ۸۳۴ھ مین سو سال کی عمر میں وفات پائی، وہ اپنے زمانہ کے ایک با اثر بزرگ تھے، اس دور کے سلاطین و امرا انہیں بہت مانتے تھے، اور ان کی خدمت اپنے لئے سعادت سمجھتے تھے، دکن کے بعض بہمنی سلاطین بھی ان کے عقیدتمند تھے، صوفیا اور شعراء کے تذکروں اور اس زمانہ کی تاریخون مین ان کے حالات ملتے ہین،

لائق مؤلف نے محنت و جستجو سے ان حالات کو تلاش کر کے اس کتاب مین سلیقہ و ترتیب کے ساتھ جمع کر دیا ہے، اس مین شاہ صاحب کے ذاتی حالات کے ضمن مین اس دور کے اور بہت سے مفید اور دلچسپ حالات آگئے ہین، آخر مین شاہ صاحب کا کلام ہے، اور ان کی جانب منسوب قیامت نامہ پر مفید بحث کی ہے، جن لوگوں کو شاہ صاحب کے حالات سے دلچسپی ہو، یہ کتاب ان کے مطالعہ کے لائق ہے،

سیاسیات ہند مابعد غدر مترجمہ جناب سید افضل حسین صاحب (مرحوم) ایڈوکیٹ فیض آباد، تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۱۵ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر،

قیمت:- عہ، پتہ:- نولکشور پریس لکھنؤ،

یہ کتاب مسٹر چنتامنی کی مشہور کتاب "انڈین پالٹیکس سینس دی میوٹنی" کا اردو ترجمہ ہے، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، ۱۸۵۷ء کے بعد سے اس وقت تک ہندوستان کے سیاسی تغیرات کی تاریخ ہے، اس مدت میں ہندوستان کی سیاسی ترقی کے لئے جو آئینی کوششین اور اسکی آزادی کی جو غیر آئینی جد وجہد ہوئی، اور اس کے جو نتائج نکلے، اس کی پوری تاریخ اور ہر دور کے محبان وطن کے حالات اور ان کے خدمات کی تفصیل ہے، معلومات کے اعتبار سے اس کتاب مین کوئی نیا اضافہ نہین ہے، اس موضوع پر اردو اور انگریزی دونون مین اس سے زیادہ مفصل کتابین موجود ہین، البتہ مؤلف کا لبرل زاویہ نظر اور ان کا مشہور تعصب اور تنگ نظری اس کی خاص خصوصیت ہے، ان دونون حیثیتون سے ان کی جو شہرت ہے، یہ کتاب اس کا تحریری ثبوت ہے، چنانچہ مولف نے اپنے عقیدہ کے مطابق لبرلون کے طرز عمل کی صحت اور اس کے فوائد کے مقابلہ مین کانگریس کی بے راہ روی اور غلط طریقہ عمل پر بڑی سختی کے ساتھ نکتہ چینی کی ہے، جس کی زد سے گاندھی جی بھی نہ بچ سکے، تعصب اور تنگ نظری کا نمونہ یہ ہے، کہ ہندوستان کی پوری سیاسی تاریخ مین مسلمانون کی خدمات اور ان کی قربانیون کا کہیں ذکر نہین اور انکے لیڈرون اور اخبارات کے نام

تک نہیں آنے پائے ہیں، صرف ایک محمد علی جناح کا نام ہے، وہ بھی اس طرح کہ اس کا نہ ہونا بہتر تھا اس کے مقابلہ میں کسی ہندو لیڈر اور ہندو اخبار کا نام مشکل ہی سے چھوٹنے پایا ہے، مولف کے تعصب سے اس سے زیادہ توقع بھی نہیں کیجا سکتی تھی،

محامد الخلفاء مرتبہ حافظ اخلاق احمد صاحب و سجاد حسین صاحب، تقطیع جیبی، ضخامت ۱۴۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت، بہتر، قیمت :- ۶ر، پتہ :- مکتبہ قصر الادب، آگرہ،

اس کتاب میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے مختصر حالات، ان کے کارنامے، اخلاق اور کلام اللہ اور احادیث نبوی سے ان کے فضائل سلیقہ کے ساتھ جمع کر دیئے گئے ہیں، حدیثیں عمومًا صحاح کی ہیں تفسیری روایات میں البتہ ہر قسم کی روایتیں ہیں، آخر میں عام صحابۂ کرامؓ کے فضائل کی تفسیری روایات اور حدیثیں دیدی ہیں، خلفاء اور صحابہ کی مدح میں چند نظمیں بھی ہیں، عام مسلمانوں کیلئے کتاب اچھی ہے، آیات و احادیث میں بعض مقاموں پر کتابت کی معمولی غلطیاں رہ گئی ہیں،

جدید علم البلاغت، مرتبہ جناب پروفیسر عبد المجید صاحب ایم اے، تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۰۹ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۸ر، پتہ :- لالہ رام نرائن لال بک سیلر الہ آباد،

مؤلف نے طلبہ کی سہولت کے لئے علم بیان پر یہ مختصر رسالہ لکھا ہے، اس میں اس کے جملہ اقسام اور صنعتوں کی تعریف اور انکی توضیح کے لئے عربی فارسی اور اردو اشعار سے مثالیں دی گئی ہیں، اردو اور فارسی کا امتحان دینے والے طلبہ کے لئے رسالہ مفید ہے، عربی اشعار میں جابجا غلطیاں رہ گئی ہیں،

"م"

جلد ۴۶ ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۳۵۹ھ مطابق ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۴۰ء عدد ۴

مضامین

مضمون	مصنف	صفحات
شذرات	سید سلیمان ندوی،	۲۴۲-۲۴۴
کیا قرآن رسول کا کلام اور انسانی تعلیمات سے ماخوذ ہے؟	"	۲۴۵-۲۵۸
کشف المغلقات،	جناب سید شرف الدین احمد صاحب بی ایل ایل بی وکیل، گیا،	۲۵۹-۲۷۵
حقائق اشیاء،	مولوی محمد اویس صاحب ندوی رفیق دار المصنفین،	۲۷۶-۲۸۴
فلسفۂ عمارت،	جناب پروفیسر معتقد ولی الرحمن صاحب ایم اے	۲۸۵-۲۹۷
موجودہ یونان میں اسلام،	"ا - ع"	۲۹۸-۳۰۰
تنگ مزاجی	"	۳۰۰-۳۰۳
حافظہ کو ترقی دینے کا طریقہ،	"	۳۰۴-۳۰۵
اخبار علمیہ،	"	۳۰۶-۳۰۹
داغ جگر	جناب جگر مرادآبادی،	۳۱۰
حسرت جذبات،	جناب ثاقب کانپوری،	۳۱۱
کتاب التفہیم ابی ریحان بیرونی،	"س"	۳۱۲-۳۱۴
مطبوعات جدیدہ،	"م"	۳۱۵-۳۲۰